دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جنوری ۲۰۱۴ء علمی گرافکس

ضخامت : 136 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرتِ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بزرگان دین کی رائے

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب سے اقتباسات

از اشرف علی عفی عنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا رسالہ مع محبت نامہ پہنچا، جواب میں دیر اس لیے ہوئی کہ شروع کر کے چھوڑنے کو جی نہ چاہا اور فرصت ہوتی نہیں، اس لیے جب سب دیکھ لیا اس وقت جواب لکھا۔ رسالہ دیکھ کر جس قدر خوشی ہوئی ہے اس کی حد تو کیا بیان کروں، بجائے حد بیان کرنے کے یہ دُعا دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ایسی ہی خوشی اس کی جزا سے آپ کو دے۔

بجائے تقریظ کے ان واقعات کا ذکر کروں جو رسالہ کے مطالعہ تفصیلہ کے وقت پیش آئے جو بالکل سچے اور سادے ہیں۔ خواہ اسی کو تقریظ سمجھ لیا جائے۔

(۱)...... مضامین پڑھنے کے وقت بے تکلف ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہر واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور واقعات کا معائنہ کر رہا ہوں اس کا سبب بیان کی بلاغت ہے۔

(۲)...... جب رسالہ ختم کر چکا ہوں تو واقعہ کا مرتب نقشہ ایسا مجتمع ہوتا تھا کہ میں خود اس کی کوشش کرتا تو اس درجہ کامیاب نہ ہوسکتا تھا۔

(۳)...... اختصار کے ساتھ جامع اس قدر معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی واقعہ نظر سے

اوجھل نہیں ہوا۔

۴ ...... ہر واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی شان نظروں میں پھر جاتی ہے کہ پہلے سے بہت زیادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت وعظمت قلب میں بڑھ گئی اور یہ سب کچھ اس تالیف کی برکت سے ہوا۔

۵ ......اور بھی بہت سے وجدانی امور ذوقاً مطالعہ سے پیدا ہوئے۔ ہاں ایک بات اور یاد آ گئی کہ مؤلف سے محبت بڑھ گئی اور ایسے نظر آنے لگے کہ پہلے سے ایسا نہیں سمجھا تھا خصوصاً عبارت کا انداز جس سے واقعات اصلی حالت پر جاندار نظر آتے تھے۔ نہ ایسا پرانا کہ جس کو اس وقت چھوڑنے کی رائے دی جاتی ہے اور نہ ایسا نیا جو حقیقت کو ملتبس کر دیتا ہے۔

بہرحال! رسالہ ہر پہلو سے محبوب و دل کش اور اپنے مؤلف کے کمالات کا آئینہ ہے۔ اس کو ختم کر کے جازم رائے دیتا ہوں کہ اس کے درس سے کسی کو خالی نہ چھوڑا جائے اور میرے مشورے سے جو اس رائے کو قبول کریں گے ان سب سے پہلے میں مؤلف ہذا سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی دس جلدوں کی ویلو (دس نسخے) میرے نام کر دیں تا کہ میں اپنے خاندان کے بچوں اور عورتوں کو پڑھنے کے لیے دوں۔ میں نے جو کچھ اس (کتاب) کے متعلق لکھا ہے۔ اس میں ایک حرف تکلف سے نہیں لکھا۔ اس سے زائد میرے مزاج کے خلاف ہے۔ اگر پسند ہو تو شائع کرنے کی اجازت ہے۔

والسلام

از تھانہ بھون

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ

مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

بندہ نے کتاب مستطاب اوجز السیر لخیر البشر (سیرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مؤلفہ مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو ''من اولہٖ الی آخرہٖ'' نہایت شوق ومحبت سے دیکھا اور اس کے مطالعہ سے محظوظ ومسرور ہوا۔

حق یہ ہے کہ اس موضوع میں یہ کتاب لاجواب ہے اور جامع احوال واخلاق و مناقب وکمالات نبویہ ہونے کی وجہ سے ذخیرۂ سعادت دنیویہ واُخرویہ ہے اور حاوی فضائل وخصائص خاتم الانبیا وسید الاصفیاء ہونے کے سبب حرزِ جان بنانے کے قابل ہے۔ مؤلف نے نہایت فصاحت وبلاغت وایجاز محمودہ، سادگی وبے تکلفی کے ساتھ صحیح حالات ووقائع کو جمع کر دیا ہے اور مطالبِ عالیہ ومضامینِ دَقیقہ مثل تعددِ ازواج ومشروعیتِ جہاد کو بدلائل واضحہ عام فہم کر دیا ہے۔

درحقیقت یہ کتاب آئینہ کمالات وعظمت ورافت ورحمت وجاہ وجلال حضرت سید الانس والجن صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ ہے جس کے مطالعہ سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اضعاف ومضاعف ہوجاتی ہے۔

پس مشورہ احقر کا یہ ہے کہ اہل اسلام اس کی اشاعت میں پوری کوشش کریں اور کوئی گھر اور کوئی انجمن ومدارس اس سے خالی نہ ہوں۔

این سعادت نیست کہ حسرت برد بران
جو پائے تختِ قیصر و ملک سکندری

حق تعالیٰ اپنے فضل ولطف سے مؤلف سلمہ کو جزائے خیر دارین عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبول اور بندگانِ خاص کو اس سے نفع پہنچائے۔

کتبہ الاحقر عزیز الرحمن الدیوبندی العثمانی

مفتی دار العلوم دیوبند ۲۷ ؍جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ

از مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

صدر المدرسین دار العلوم دیو بند

رسالہ اوجز السیر لخیر البشر (سیرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مؤلفہ محمد شفیع علماء کی تقریظوں اور تحسینوں کے ساتھ ایک مرتبہ شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

اب مؤلف ممدوح نے دوسری مرتبہ عمدہ اضافہ کے ساتھ طبع کیا ہے۔ جن حضرات کو مختصر سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیکھنی ہو وہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اختصار کے ساتھ معتمد علیہ اور مستند نقل بھی ان شاء اللہ دستیاب ہو جائے گی۔ تبلیغ کے انجام دینے والے حضرات اور طلبۂ مشکوۃ شریف بھی اس رسالہ کے محتاج ہیں۔ حق تعالیٰ مؤلف کو اجر جزیل دے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد انور عفاء اللہ عنہ

مدرس دار العلوم دیو بند

مجاہد فی سبیل اللہ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے سہلٹ سے ایک مکتوب گرامی کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کے رسالہ (سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلے ایڈیشن کو حرفاً حرفاً دیکھ چکا ہوں اور نہایت موزوں پا کر نصاب میں داخل کر چکا ہوں۔ عنقریب اس کے متعلق ایک جلسہ کمرلاء میں منعقد ہوگا اور یہ نصاب ان شاء اللہ تمام صوبہ بنگال و آسام کے قومی مدارس کے لیے معمول بہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم اور دیگر بزرگوں کی تحریروں کے بعد ہم جیسے نا کارہ کا کچھ بھی لکھنا منہ چڑانا اور سخت بے ادبی ہے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ

محدث دارالعلوم دیوبند

مولوی محمد شفیع میرے سامنے کے بچے ہیں مگر ان کا علم وفضل مجھے ان کو مولانا محمد شفیع کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ان کی عربی واردو تصنیفات کی تعداد ایسی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ مجھ جیسے ضعفاء پا بہ رکاب بوڑھوں کو رشک آئے تو بجا ہے۔ دونوں زبانوں میں سلاستِ زبان اور حسن بیان حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ نئی روشنی اور جدید تمدن کے اثر نے جو جا بجا نظر فریب مگر مہلک غار ڈال دیے ہیں۔ لوگوں کو ان سے بچانے کی فکر کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

اپنی تازہ تالیف پر مجھ سے کچھ لکھنے کی خواہش کرتے ہیں۔

ضرورت زمانہ اور اسلامی تعلیم کے لیے یہ کتاب نہایت مناسب اور مفید ہے۔ اختصار تو ہونا چاہیے تھا کیونکہ نام ہی اوجزالسیر (یعنی نہایت مختصر سوانح عمری) ہے مگر اس اختصار ہی میں ضروری اور کار آمد باتیں بہت سی آ گئی ہیں۔

اس قسم کی سہل اور مختصر تالیف کے ذریعہ سے اسکول کے طالب علموں، کاروباری مسلمانوں اور پردہ نشین بیبیوں کے قلوب میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبت بٹھلانے کے لیے سیر صالحہ اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کا شوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب کو حسن قبول اور فاضل مؤلف کو جزاء حسن اور مزید توفیق عطا فرما کر ان کے علم وعمل میں ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین

انتساب

مصنفین کا معمول ہے کہ اپنی تصنیفات کسی اپنے صاحب اقتدار مربی کی خدمت میں تحصیل برکت واظہارِ عقیدت کے لیے بطور نذر پیش کرتے ہیں۔

یہ ناکارۂ خلائق اس تحفۂ گدائی اور نوائے بےنوائی کو سید الاولین و الآخرین فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ جلالت پناہ میں پیش کر کے عرض کرتا ہے۔

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ
وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ

بضاعت نیا وردم الا امید

اخرج الناس الی الشفیع الرفیع
محمد شفیع الدیوبندی غفرلہ ولوالدیہ

۱۳۴۱ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

امابعد! سرور کائنات، فخر موجودات، روح دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیر (سوانح عمری) پڑھنے، پڑھانے کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں جب سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا آج تک ہر قرن، ہر زمانے کے علماء نے اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی زبانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتیں لکھیں اور اس غیر منقطع سلسلہ میں خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی غیر محصور کتابیں زیر تصنیف آ چکی ہیں اور کتنی آنے والی ہیں۔

نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزاراں اند

مسلمانوں سے بڑھ کر سینکڑوں کی تعداد میں کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھی ہے۔ یورپی مؤرخین نے اس میں بڑا حصہ لیا ہے جن میں بیس تیس تو ہمیں معلوم ہیں لیکن ان لوگوں نے عام طور پر واقعات کے بیان میں شدید تعصب سے کام لیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے مطالعے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

الغرض! بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں آج تک کسی انسان کی سیرت کا اتنا اہتمام نہیں کیا گیا۔ ایک یورپین سیرت نگار لکھتا ہے:

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔ (از سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اردو زبان میں بھی قدیم و جدید بہت سی سیرتیں موجود ہیں جو اہل ہند کی جانب

سے اس فریضہ کو ادا کر چکی ہیں لیکن میری نگاہ عرصہ سے ایسی مختصر سیرت کو ڈھونڈ رہی تھی جس کو ہر کاروباری مسلمان مرد و عورت دو تین مجلسوں میں ختم کر کے اپنا ایمان تازہ کر سکے اور اسوۂ نبویہ کو اپنا رہنما بنا سکے اور جو اسلامی انجمنوں اور مدارس کے ابتدائی نصاب میں درج ہو سکے اور جس میں اختصار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ اپنے اصلی رنگ میں مکمل طور سے روایت میں احتیاط کو مدنظر رکھ کر پیش کر دیا گیا ہو مگر ایسا کوئی رسالہ اردو زبان میں میری نگاہ سے نہ گزرا۔ اسی عرصہ میں بعض احباب شملہ نے اپنی اسلامی انجمن کے لیے ایسے رسالہ کی ضرورت محسوس کر کے احقر سے فرمائش کی تو باوجود اپنے کم علمی اور پھر اس کے ساتھ مشاغل تعلیم و تعلم کے اس خیال سے قلم اٹھایا کہ جس وقت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیرت نگاروں کے نام پیش ہوں، شاید کسی گوشے میں اس سیہ کار کا نام بھی آ جائے۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

اس لیے بنام خدا اس رسالہ کو شروع کیا اور امورِ ذیل کا التزام کرتے ہوئے سیرت کی معتبر کتابوں کا لبِ لباب اس میں پیش کر دیا۔

۱ ......اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ رسالہ طویل نہ ہو جائے اور اسی وجہ سے ملک عرب کے جغرافیائی حالات اور عجم و عرب کی حالت قبل از اسلام وغیرہ جو سیرت کا جز و سمجھے جاتے ہیں اور ایک حد تک مفید بھی ہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے صرف ان حالات پر اکتفا کرنا پڑا جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے متعلق ہیں اور اسی اختصار کی وجہ سے اس کا نام ''اوجز السیر لخیر البشر'' رکھا گیا۔

۲ ......اختصار کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھا گیا کہ جامعیت ہاتھ سے نہ جائے اور بحمد اللہ تقریباً تمام ضروری واقعات اس رسالہ میں لیے گئے ہیں۔

۳ ...... مسائل جہاد، تعددِ ازواج وغیرہ پر جو مخالفین کے اوہام ہیں ان کے بھی موٹے موٹے شافی جوابات درج کیے گئے ہیں۔

رسالہ کا ماخذ

کل معتبر اور مستند کتابیں جن کے حوالے بھی ہر موقع پر بقید صفحات لکھ دیے گئے ہیں جن میں سے بعض نام درج ذیل ہیں:

۱ ...... مشکوٰۃ ۲ ...... صحاح ستہ مع شروح ۳ ...... کنز العمال ۴ ...... خصائص کبریٰ للسیوطی۔ ۵ ...... مواہب لدنیہ۔ ۶ ...... سیرت مغلطائی ۷ ...... سیرت ابن ہشام۔ ۸ ...... شفاء قاضی عیاض مع شرح خفاجی۔ ۹ ...... سیرت حلبیہ ۱۰ ...... زاد المعاد از علامہ ابن قیمؒ ۱۱ ...... تاریخ ابن عساکر ۱۲ ...... سرور المحزون از حضرت شاہ ولی اللہؒ ۱۳ ...... اوجز السیر از شیخ ابن فارس ۱۴ ...... نشر الطیب۔ مصنفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مدظلہ وغیرہ۔ [رحمۃ اللہ علیہ]

خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ناچیز سعی کو قبولیت عطا فرمائی ہے۔

اور سب سے پہلے [1] سید و مرشدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم [رحمۃ اللہ علیہ] نے اس کو پسند فرما کر خانقاہ امدادیہ کے نصاب درس میں داخل فرمایا اور اپنے رسالہ تتمات وصیت میں اس کا اعلان فرماتے ہوئے

---

[1] یہ آج سے تقریباً اسی سال پہلے کا ذکر ہے۔ اب تو خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان، پاکستان کے بہت سے مدارس اور اسکولوں میں داخل نصاب ہو چکی ہے اور مجموعی طور پر لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے اور تا حال ہو رہی ہے۔ دارالاشاعت اردو بازار کراچی کے زیر اہتمام اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی ایڈیشن ہے جس میں دو رنگہ طباعت کے ساتھ اس کتاب کی کتابت کو مزین کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کاوش کو قبول فرما کر مؤلف و ناشر اور ہم سب کے لیے اس کو ذریعہ نجات و ذخیرہ آخرت بنائے (آمین) از محمد عابد قریشی غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذہ

دوسروں کو بھی اس طرف رغبت دلائی۔

چنانچہ صرف تین ماہ میں پنجاب، ہندوستان، بنگال کے سو سے زائد مدارس اور اسلامی انجمنوں کے نصاب میں اس کو داخل کرلیا گیا۔

حال میں جناب مہتمم صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے اطلاع دی ہے کہ ان کی مجلس شوریٰ نے بھی اس کو ابتدائی نصاب میں داخل کرلیا ہے۔

والحمدللہ اولہ وآخرہ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مطہر تمام دنیا سے زیادہ شریف [1] اور پاک ہے اور یہ وہ بات ہے کہ تمام کفار مکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکے۔ ابوسفیان نے بحالتِ کفر شاہ روم کے سامنے اس کا اقرار کیا حالانکہ وہ اس وقت چاہتے تھے کہ اگر کوئی گنجائش ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عیب لگائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف والد ماجد کی طرف سے یہ ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہاں تک سلسلہ نسب اجماعِ امت سے ثابت ہے اور یہاں سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اختلاف ہے۔ اس لیے اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب یہ ہے:

محمد بن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔

اس سے معلوم ہوا کہ کلاب بن مرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا نسب جمع ہو جاتا ہے

---

[1] دلائل ابونعیم میں مرفوعاً روایت ہے: جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے مشرق و مغرب میں پھرا، مگر بنی ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہیں دیکھا۔

ولادت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات کا ظہور

جس طرح آفتاب سے پہلے صبح صادق کی عالمگیر روشنی اور پھر شفق سرخ دنیا کو طلوع آفتاب کی بشارت دیتے ہیں، اسی طرح جب آفتاب نبوت کا طلوع قریب ہوا تو اطراف عالم میں بہت سے ایسے واقعات ظاہر کیے گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دیتے تھے، جن کو محدثین و مؤرخین کی اصطلاح میں **ارھاصات** کہا جاتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بطن میں بصورت حمل مستقر ہوئے تو انہیں خواب میں بشارت دی گئی کہ وہ بچہ جو تمہارے حمل میں ہے اس امت کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہو تو تم یہ دُعا کرنا: ان کو ایک خدا کی پناہ میں دیتی ہوں۔ اور ان کا نام **محمدؐ** رکھنا۔ (سیرت ابن ہشام)

اور فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل میں رہنے کے بعد میں نے ایک نور دیکھا جس سے شہر بصری علاقہ شام کے محلات ان کے سامنے آگئے۔ (ابن ھشام)

اور فرماتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کا کوئی حمل نہیں دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ سہل اور سبک ہو۔ یعنی ایام حمل میں جو سستی اور متلی وغیرہ عموماً عورتوں کو رہتی ہے وہ کچھ مجھے پیش نہیں آئیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات رونما ہوئے جن کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت

اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں اس سال ہوئی جس میں اصحاب فیل[1] نے بیت اللہ پر حملہ کیا اور خداوندِ عالم

---

[1] یمن کے بادشاہ نے ہاتھیوں کی فوج لے کر بیت اللہ پر چڑھائی کی تھی۔ ان لوگوں کو اصحاب فیل کہا جاتا ہے

نے ان کو ابابیل یعنی چند حقیر جانوروں (پرندوں) کی ٹکڑیوں کے ذریعے شکست دی جس کا اجمالی واقعہ قرآن عزیز میں موجود ہے اور درحقیقت واقعہ فیل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی برکات کا مقدمہ تھا۔ جائے ولادت وہ مکان ہے جو بعد میں حجّاج کے بھائی محمد بن یوسف کے ہاتھ آیا تھا۔[1]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ واقعہ فیل ۲۰/اپریل ۵۷۱ء میں ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پانچ سو اکہتر سال بعد ہوئی۔ (دروس التاریخ الاسلامی صفحہ ۱۴/للخیاط)

امام حدیث[2] ابن عساکر نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس کا فاصلہ ہوا۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ایک ہزار ایک سو بیالیس سال کا اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پانچ سو پینسٹھ سال کا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پانچ سو بہتّر اور داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ایک ہزار تین سو چھپن اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان چھ سو برس کا فاصلہ گزرا ہے۔ اس حساب سے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پانچ ہزار بیس سال ہوئے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس کم ایک ہزار سال ہوئی ہے۔ اس لیے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا میں تشریف لانے سے تقریباً چھ ہزار سال یعنی ساتویں ہزار سال میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہوئے۔ (تاریخ ابن عساکر محمد بن اسحاق، صفحہ ۱۹۔۲۰۔جلد ۱)

---

[1] سیرت مغلطائی ص ۱۲۵۔

[2] اس تفصیل کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں، لیکن ابن عساکر نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔ (صفحہ ۲۱ جلد ۱)

الغرض! جس سال اصحاب فیل کا حملہ ہوا اس کے ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ[1] روز دوشنبہ دنیا کی عمر میں ایک نرالا دن ہے کہ آج پیدائش عالم کا مقصد، لیل ونہار کے انقلاب کی اصلی غرض آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور اولاد آدم کا فخر، کشتی نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی حفاظت کا راز، ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی پیشنگوئیوں کا مصداق یعنی ہمارے آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز عالم ہوتے ہیں۔

ادھر دنیا کے بت کدے میں آفتاب نبوت کا ظہور ہوتا ہے، ادھر ملک فارس[2] کے کسریٰ کے محل میں زلزلہ آتا ہے جس سے اس کے چودہ کنگرے گر جاتے ہیں۔ بحیرہ ساوہ (ملک فارس کا ایک دریا) دفعتاً خشک ہو جاتا ہے۔ فارس کے آتش کدے کی وہ آگ جو ایک ہزار سال سے کبھی نہ بجھی تھی، خود بخود سرد ہو جاتی ہے۔
(سیرت مغلطائی، صفحہ ۵)

اور یہ درحقیقت آتش پرستی اور ہر گمراہی کے خاتمہ کا اعلان اور فارس و روم کی سلطنتوں کے زوال کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ولادت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بطن سے ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر جلوہ افروز

---

[1] اس پر اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی لیکن تاریخ کے تعین میں چار اقوال مشہور ہیں: دوسری، آٹھویں، دسویں، بارہویں۔ حافظ مغلطائی نے دوسری تاریخ کو اختیار فرما کر دوسری اقوال کو مرجوح قرار دیا ہے مگر مشہور قول بارہویں تاریخ کا ہے۔ یہاں تک کہ ابن البزار نے اس پر اجماع نقل کر دیا اور اسی کو کامل ابن اثیر میں اختیار کیا گیا ہے اور محمود پاشا فلکی مصری نے نویں تاریخ کو بذریعہ حسابات اختیار کیا ہے۔ یہ جمہور کے خلاف بے سند قول ہے اور حسابات پر بوجہ اختلاف مطالعہ ایسا اعتماد نہیں ہو سکتا کہ جمہور کی مخالفت اس کی بناء پر کی جائے۔

[2] کذا فی المواھب

ہوئے تو دونوں ہاتھوں پر سہارا دیے ہوئے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاک کی مٹھی بھری اور آسمان کی طرف دیکھا۔ (مواہب لدنیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ کو ان کے والد نے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ سے کھجوریں لائیں۔ عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بصورت حمل چھوڑ کر چلے گئے۔ اتفاقاً وہیں ان کی وفات [1] ہوگئی اور والد کا سایہ پیدائش سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے اٹھ گیا۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۷)

زمانۂ رضاعت اور زمانۂ طفولیت

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور چند روز کے بعد ابولہب کی کنیز ''ثُوَیبہ'' [2] نے دودھ پلایا۔ اس کے بعد یہ دولت خداداد حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو نصیب ہوئی۔ (سیرت مغلطائی)

شرفائے عرب کی عام عادت تھی کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے قرب و جوار کے دیہات میں بھیج دیتے تھے جس سے بچوں کی جسمانی صحت بھی اچھی ہو جاتی تھی اور وہ خالص عربی بھی سیکھ جاتے تھے اور اسی لیے گاؤں کی عورتیں اکثر شہروں میں شیر خوار بچے لینے کے لیے جایا کرتی تھیں۔

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کا انتقال آپ کی ولادت کے بعد ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر سات ماہ تھی لیکن زاد المعاد میں ابن قیم نے اس قول کو مرجوح قرار دیا ہے۔ زاد المعاد صفحہ ۸ جلد ا

قال الحافظ ابن حجر صححه ابن حبان والحاكم كذا في المواهب (نشر الطيب)

[2] بعض اردو کتب میں کتابت کی غلطی کی بنا پر یہ نام ''ثوبیہ'' درج ہے، یہ غلط ہے۔ صحیح نام ثویبہ ہے، اصلاح کر لی جائے۔ از محمد عابد قریشی عفی عنہ فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ (طائف) سے بنی سعد کی عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی۔ اس سال قحط تھا، میری گود میں ایک بچہ تھا (مگر فقر و فاقہ کی وجہ سے) اتنا دودھ نہ تھا جو اس کو کافی ہو سکے۔ رات بھر وہ بھوک سے تڑپتا تھا اور ہم اس کی وجہ سے بیٹھ کر رات گزارتے تھے۔ ایک اونٹنی بھی ہمارے پاس تھی مگر اس کے بھی دودھ نہ تھا۔

مکہ کے سفر میں جس دراز گوش (گدھے) پر سوار تھی وہ بھی اس قدر لاغر تھا کہ سب کے ساتھ نہ چل سکتا تھا۔ ہمراہی بھی اس سے تنگ آ رہے تھے۔ بالآخر مشکل سے یہ سفر طے ہوا۔ مکہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عورت دیکھتی تھی اور یہ سنتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم ہیں تو کوئی قبول نہ کرتی کیونکہ زیادہ اکرام و انعام کی توقع نہ تھی اور ادھر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی قسمت کا ستارہ چمک رہا تھا۔ ان کے دودھ کی کمی ان کے لیے رحمت بن گئی کیونکہ دودھ کم دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچہ دینا گوارا نہ کیا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر سے کہا: یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ خالی ہاتھ واپس ہوں۔ خالی سے بہتر ہے کہ اس یتیم کو لے چلوں، شوہر نے منظور کیا اور یہ اس دُرِّ یتیم کو لے آئیں جس سے حضرت آمنہ و حلیمہ رضی اللہ عنہما کے گھر نہیں بلکہ مشرق و مغرب میں اجالا ہونے والا تھا۔

خدا کا فضل تھا کہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی قسمت جاگی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی گود میں آ گئے۔ فرودگاہ لا کر پر دودھ پلانے بیٹھیں تو برکات کا ظہور شروع ہو گیا۔ اس قدر دودھ اترا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اور آپ کے رضاعی بھائی نے بھی خوب سیر ہو کر پیا اور آرام سے سو گئے۔ ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے لبریز تھے میرے شوہر نے اس کا دودھ نکالا اور ہم سب نے سیر ہو کر پیا اور رات بھر آرام سے گزاری۔ مدتوں بعد یہ پہلی رات تھی کہ ہم اطمینان کے ساتھ نیند بھر کر سوئے۔

اب تو میرا شوہر بھی کہنے لگا کہ حلیمہ! تم تو بڑا ہی مبارک بچہ لائی ہو! میں نے کہا کہ مجھے بھی یہی توقع ہے کہ یہ نہایت مبارک لڑکا ہے، اس کے بعد ہم مکہ سے روانہ ہوئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لے کر اسی دراز گوش پر سوار ہوئی۔

مگر اس مرتبہ خدا کی قدرت کا یہ تماشا دیکھتی ہوں کہ اب وہ اتنا تیز چلتا ہے کہ کسی کی سواری اس کی گرد کو نہیں پہنچتی۔ میری ہمراہی عورتیں تعجب سے کہنے لگیں: یہ وہی ہے جس پر تم آئی تھیں۔ الغرض! راستہ قطع ہوا ہم گھر پہنچے وہاں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ تمام دودھ کے جانور دودھ سے خالی تھے۔ لیکن میرا گھر میں داخل ہونا تھا اور میری بکریوں کا دودھ سے بھرنا، اب روز میری بکریاں دودھ سے بھری آتی ہیں اور کسی کو ایک قطرہ بھی نہیں ملتا۔ میری قوم کے لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم بھی اپنے جانور اسی جگہ چراؤ جہاں حلیمہؓ کی بکریاں چرتی ہیں، مگر وہاں تو چراگاہ اور جنگل کی خصوصیت نہ تھی بلکہ کسی اور ہی لعل کی خاطر منظور تھی اس کو وہ لوگ کہاں سے لاتے۔ چنانچہ ایک ہی جگہ چرنے کے بعد بھی ان کے جانور دودھ سے خالی اور میری بکریاں بھری ہوئی آتی تھیں۔ اسی طرح ہم برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دو سال پورے ہوگئے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دودھ چھڑا دیا۔ (الصالحات)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا کلام

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر جاری ہوئے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا کلام تھا۔ (اخرجہ البیہقی عن عباس کذا فی الخصائص ۵۵ ج ۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشوونما دوسرے بچوں سے اچھا تھا کہ دو سال ہی میں اچھے بڑے معلوم ہونے لگے تھے۔ اب ہم حسبِ قاعدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ کے پاس لائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات کی وجہ سے آپ کو چھوڑنے کا جی نہ چاہتا تھا۔ اتفاقاً اس سال مکہ میں طاعون پھیل رہا تھا، ہم وبا کا بہانہ کرکے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ واپس لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس رہے۔

باہر نکلتے اور لڑکوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تھے مگر خود علیحدہ رہتے تھے۔

ایک روز مجھ سے فرمانے لگے کہ میرے دوسرے بھائی دن بھر نظر نہیں آتے وہ کہاں رہتے ہیں؟ میں نے کہا: بکریاں چرانے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان کے ساتھ بھیجا کرو۔[1] اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضاعی بھائی (عبداللہ) کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ (خصائص ج ۱)

ایک مرتبہ دونوں مواشی میں پھر رہے تھے کہ عبداللہؓ دوڑتے ہوئے اور ہانپتے ہوئے گھر پہنچے اور اپنے باپ سے کہا کہ میرے قریشی بھائی کو دو سفید کپڑے والے آدمیوں نے پکڑ کر لٹایا اور شکم چاک کر دیا میں ان کو اسی حال میں چھوڑ کر آیا ہوں، ہم دونوں گھبرائے ہوئے جنگل کو دوڑے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہیں مگر رنگ (خوف سے) متغیر ہے۔ میں نے پوچھا: بیٹا! کیا بات ہے؟ فرمایا:

دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور پیٹ چاک کرکے اس میں سے کچھ ڈھونڈ کر نکالا، معلوم نہیں کیا تھا۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر لائے۔[2]

---

[1] بچپن کے زمانے میں داعیہ مساوات قابل دید ہے کہ جب میرا بھائی کام کرتا ہے تو میں کیوں نہ کروں۔ ۱۲ منہ

[2] سیرت ابن ہشام بحاشیہ زاد المعاد۔ اسد الغابۃ ۱۲۸۹۔ ۱۲ منہ

اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کاہن کے پاس لے گئی۔ [1]

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور آپ کو اپنے سینہ پر اٹھالیا اور چلانا شروع کردیا کہ اے آل عرب! دوڑو جو بلا تم پر عنقریب پہنچنے والی تھی اس کو دفع کرو جس کی صورت یہ ہے کہ اس لڑکے کو قتل کردو اور مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کردو۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو یاد رکھو تمہارے دین کو مٹا دے گا اور ایسے مذہب کی طرف تمہیں دعوت دے گا جو تم نے اب تک کبھی نہیں سنا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر جھنجلا اٹھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بدبخت کے ہاتھوں سے کھینچ لیا اور کہا کہ ''تو دیوانہ ہوگیا ہے تجھے خود اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہیے'' حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر لے کر آ گئیں لیکن اس دوسرے واقعے نے ان کو اس پر آمادہ کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ کے سپرد کردیں کیونکہ کما حقہ تحفظ نہ کرسکتی تھیں (ماخوذ شواھد النبوۃ للمولانا الجامی و خصائص کبری، صفحہ ۵۵ ج ۱)

جب مکہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی والدہ کے سپرد کیا تو انہوں نے حلیمہؓ سے پوچھا کہ باوجود خواہش کے واپس لے جانے کے اس قدر جلد واپس لے آنے کی کیا وجہ ہے؟ اصرار کے بعد حلیمہؓ کو تمام واقعہ عرض کرنا پڑا۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا: بے شک میرے بیٹے کی ایک خاص نشانی ہے اور پھر ایام حمل اور وقتِ ولادت کے حیرت انگیز واقعات سنائے۔ (ابن ھشام، صفحہ ۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چار پانچ برس ہوئی تو مدینہ سے واپس ہوتے ہوئے

---

[1] اسلام سے پہلے کچھ لوگ جنات و شیاطین کے ذریعے آسمانی خبریں اور چھپی ہوئی باتیں معلوم کرکے غیب دانی کے مدعی ہوتے تھے ان کو کاہن کہا جاتا تھا۔ ۱۲

بمقام ابواء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے بھی دنیا سے رحلت فرمائی۔ (مغلطائی، صفحہ ۱۰)

بچپن کا زمانہ، چھ سال کی عمر ہے، والد کا سایہ تو پہلے ہی اٹھ چکا ہے، والدہ کی آغوشِ شفقت کا بھی خاتمہ ہوا لیکن یہ یتیم جس آغوشِ رحمت میں پرورش پانے والا ہے۔ وہ ان اسباب سے بے نیاز ہے۔

عبدالمطلب کی وفات

والدین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہے لیکن خدائے قدوس کو دکھلانا تھا کہ یہ نونہال محض آغوش رحمت میں پرورش پانے والا ہے، مسبب الاسباب اس کی تربیت کا خود کفیل ہو چکا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس دو مہینہ دس دن کی ہوئی تو عبدالمطلب بھی دنیا سے رحلت فرما گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر شام

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب آپ کے ولی ہوئے، ان کے پاس رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف بارہ برس دو مہینہ کی ہوئی تو ابوطالب نے تجارت کے لیے ملک شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر شام کی طرف چلے راستے میں مقام تیماء میں اقامت فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہود کے ایک بڑے عالم کی پیشین گوئی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام تیماء میں مقیم تھے کہ اتفاقاً یہود کے ایک بڑے عالم جن کو بحیرا راہب کہا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ابوطالب سے خطاب کیا کہ "یہ لڑکا جو آپ کے ساتھ ہے کون ہے؟"

ابوطالب نے کہا کہ "میرا بھتیجا ہے"۔

بحیرا نے کہا کہ کیا آپ اس پر مہربان ہیں اور اس کی قسم کھائی اور کہا: اگر تم اس کو شام لے گئے تو یہود اس کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ یہ خدا کا نبی ہے جو یہود کے دین کو منسوخ کرے گا، میں اس کی صفات اپنی آسمانی کتابوں میں پاتا ہوں۔

فائدہ:......بحیرا راہب چونکہ تورات کا عالم تھا اور تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پورا حلیہ مذکور تھا۔ اس لیے اس نے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچان لیا کہ یہ وہی خاتم الانبیاء ہیں جو تورات کو منسوخ اور احبار یہود کی حکومت کا خاتمہ کریں گے۔ ابوطالب کو بحیرا کے کہنے سے خطرہ پیدا ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مکہ معظّمہ واپس کر دیا۔ (سیرت مغلطائی، صہ ۱۰)

دوبارہ سفر شام بغرضِ تجارت

مکہ معظّمہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت ایک مالدار عورت تھیں اور ساتھ ہی نہایت عقلمند اور تجربہ کار، جن لوگوں کو ہوشیار اور معتبر سمجھتیں، ان کو اپنا مال سپرد کر دیتیں کہ فلاں جگہ جا کر فروخت کر آؤ اس قدر تم کو بھی دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا اگرچہ اس وقت تک ظہور نہ ہوا تھا لیکن آپ کی دیانت و امانت کا تمام مکہ والوں میں بڑا شہرہ تھا اور ہر ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برگزیدہ اور پاک اخلاق کا اعتبار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امین کے لقب سے مشہور تھے، یہ شہرت اور بزرگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پوشیدہ نہ تھی اس لیے انہوں نے چاہا کہ اپنی تجارت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپرد کر کے آپ کی دیانت داری سے نفع اٹھائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہلا بھیجا کہ اگر ہماری تجارت کا مال شام کو لے جائیں تو ہم اپنا ایک غلام آپ کی خدمت کے لیے ہمراہ کر دیں اور دوسرے لوگوں کو نفع میں سے جو حصہ دیا جاتا ہے اس سے زیادہ آپ کی خدمت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات

مبارک چوں کہ بلند ہمت اور وسیع الخیال ہستی واقع ہوئی تھی، فوراً اس بعید سفر کے لیے تیار ہو گئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر ۱۶/ذی الحجہ کو شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں اس مال کو نہایت عقل مندی سے بہت زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا اور شام سے دوسرا مال خرید کر واپس ہوئے۔ مکہ معظّمہ میں لا کر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مال سپرد کر دیا۔ اس کو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہاں [مکہ میں] بیچا تو دو چند کے قریب نفع ہوا۔

شام کے راستے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے ایک راہب نسطورا نامی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور نبی آخر الزماں کی جو علامتیں پہلی کتابوں میں لکھی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں دیکھ کر پہچان گیا۔ راہب میسرہ کو جانتا تھا اس سے پوچھا: تیرے ساتھ یہ کون شخص ہیں؟ اس نے کہا: مکہ معظّمہ کے رہنے والے ہیں، قریش کے ایک شریف (نوجوان) ہیں۔ اس نے کہا: یہ نبی ہوں گے۔

(از سیرت مغلطائی، صفحہ ۱۲ و الصاخات)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک عقل مند فہمیدہ عورت تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شرافت اور محیر العقول اخلاق دیکھ کر ان کو ایک سچا اعتقاد اور خالص اُنس ہو گیا۔ جس سے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود ارادہ کیا کہ آپ منظور فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے نکاح کر لیں

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر پچیس سال[1] کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح مقرر ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چالیس اور بعض روایات کی رو سے پینتالیس سال تھی۔ (سیرت مغلطائی)

نکاح میں ابوطالب بنو ہاشم اور رؤساء مضر سب جمع ہوئے ابوطالب نے خطبہ

---

[1] اس وقت عمر شریف کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ۲۵، ۲۷، ۲۹، ۳۰ سیرت مغلطائی صفحہ ۱۲

نکاح پڑھا، اس خطبہ میں ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو الفاظ کہے ہیں وہ سننے کے قابل ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

یہ محمد بن عبداللہ ہیں جو اگرچہ مال میں کم ہیں لیکن شریفانہ اخلاق اور کمالات کی وجہ سے جس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں رکھا جائے آپ اس سے زیادہ عالی مرتبہ نکلیں گے کیونکہ مال ایک ضائع ہوجانے والا سایہ اور لوٹنے والی چیز ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن کی قرابت کو تم سب جانتے ہو۔ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور ان کا کل مہر معجّل اور مؤجل میرے مال سے ہے اور خدا کی قسم اس کے بعد اس کی بڑی عزت وعظمت ہونے والی ہے

ابوطالب کے یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اس وقت ہیں جب کہ پچیس سال کی عمر میں ہیں اور ابھی ظاہری طور سے نبوت بھی عطا نہیں ہوئی پھر اس پر یہ طرہ کہ ابوطالب اپنے اسی قدیم مذہب پر ہیں جس کو مٹانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی وقف ہے مگر بات یہ ہے کہ حق بات چھپائی نہیں جاسکتی۔

الغرض حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوگیا۔ وہ آپ کی خدمت میں چوبیس سال رہیں۔ کچھ مدت نزول وحی سے پہلے اور کچھ مدت نزول وحی کے بعد۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو فرزند اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں فرزند ارجمند قاسم رضی اللہ عنہ اور طاہر رضی اللہ عنہ تھے، قاسمؓ کے نام سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہے اور طاہر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عبداللہ تھا۔[1]
چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ، زینب، رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

---

[1] زادالمعاد میں ہے کہ آپ ؑ کا اصلی نام عبداللہ تھا اور طیب وطاہر دونوں آپ کے لقب تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں [1] سب سے بڑی تھیں۔ رضی اللہ عنھن وعنا اجمعین

یہ سب اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیسرے صاحبزادے جن کا نام ابراہیم تھا صرف وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ تینوں فرزند بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ البتہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ سواری پر سوار ہو جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باجماع امت تمام صاحبزادیوں میں افضل تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

ان کا نکاح پندرہ برس ساڑھے پانچ ماہ کی عمر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ چار سو اسّی درہم مہر مقرر کیا گیا۔ اس سیدۃ النساء کا جہیز کیا تھا:

ایک چادر، ایک تکیہ جس میں کھجور کے درخت کا گودا بھرا ہوا تھا، ایک چمڑے کا گدا، ایک بان کی چارپائی، ایک چھاگل، دو مٹی کے گھڑے، دو مشکیزے اور ایک چکی۔

(طبقات ابن سعد وغیرہ)

چکّی پیسنا اور گھر کے کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔

دونوں جہاں کے سردار کی سب سے لاڈلی صاحبزادی کا نکاح، جہیز اور مہر یہ ہے اور ان کی فقیرانہ زندگی کا نقشہ یہ ہے۔ کیا اس کو دیکھ کر بھی وہ عورتیں نہ شرمائیں گی جو بیاہ شادی کی رسموں میں دین و دنیا کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں؟

---

[1] حافظ ابن قیمؒ نے اس میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات زینب کو اور بعض رقیہ اور بعض ام کلثوم کو سب سے بڑی کہتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ رقیہ سب سے بڑی تھیں اور ام کلثوم سب سے چھوٹی۔ زاد المعاد ص ۲۵ جلد ۱۔

اس میں خداوند تعالیٰ کی کوئی بڑی حکمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسری اولاد زندہ نہ رہی، صرف دختری اولاد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل ساری دنیا میں پھیلی لیکن بیٹیوں میں بھی صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد باقی رہی ہے۔

دوسری صاحبزادیوں میں بعض کی اولاد ہی نہیں ہوئی، بعض کی زندہ نہ رہی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو تھوڑی عمر میں انتقال کر گیا اور ایک لڑکی (امامہ) پیدا ہوئیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد نکاح کیا لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ہجرت حبشہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر سے واپسی کے وقت لا اولاد دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ان کے بعد ۳ ہجری میں ان کی دوسری بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی سے کر دیا اور اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ''ذوالنورین'' ہوا۔ ۹ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر میرے پاس کوئی تیسری لڑکی ہوتی تو اس کو بھی ان کے نکاح میں دے دیتا۔'' (سیرت مغلطائی ۱۶۔۱۷)

عورتیں یاد رکھیں!

سیرت کی معتبر روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کرنے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے پسند نہیں کہ عورت اپنے خاوند کی شکایت کیا کرے۔ جاؤ اپنے گھر بیٹھو۔

یہ ہے لڑکیوں کی وہ تعلیم جس سے ان کی حیات دنیا و آخرت دونوں درست ہو سکتی ہیں

(اوجز السیر لابن الفارس)

باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ہجرت سے تین سال پہلے جب ان کی وفات ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۴۹ برس کو پہنچی تو اور خواتین بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ، یہ گیارہ ہیں، جن میں سے دو سامنے وفات پا گئیں اور نو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت تک زندہ تھیں اور یہ باجماع امت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ امت کے لیے چار سے زائد عورتیں ایک وقت میں بصورت نکاح جمع کرنا جائز نہیں اور اس خصوصیت کی بعض وجوہ آگے آتی ہیں۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا:...... پہلے سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں

چھ برس کی عمر میں تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا نکاح ہوا اور ہجرت کے سال نو برس کی عمر میں رخصت ہوئیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نو سالہ مصاحبت سے آپ رضی اللہ عنہا پر کیا رنگ چڑھا اور کیا حاصل ہوا اس کا حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمیں کسی مسئلے میں شک ہوتا تھا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا علم پاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ

بڑے بڑے اجلّہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:...... حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی تھیں۔

پہلے اُنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں، ان کے بعد ہجرت سے دوسرے یا تیسرے برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا۔ (سیرت مغلطائی ۴۸)

حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا

ام المساکین کے نام سے معروف ہیں، پہلے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ اس نے طلاق دے دی، پھر اس کے بھائی عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نکاح ہو گیا۔ جب یہ بھی غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تو ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد سے ایک ماہ پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۴۵)۔

اور صرف دو ماہ نکاح میں رہ کر وفات پا گئیں۔ (نشر الطیب)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:...... ابوسفیان کی بیٹی ہیں، پہلے عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں گئیں۔ ان سے اولاد بھی ہوئی۔ یہ دونوں مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر عبیداللہ بن جحش نصرانی ہو گیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے ایمان پر قائم رہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی شاہ حبشہ کو خط لکھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح دیں چنانچہ نجاشی نے پیغام دیا اور خود ہی نکاح کا کفیل ہوا اور چار سو دینار مہر خود ہی ادا کر دیے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہندہ ہے۔ پہلے ابوسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں تھیں جن سے اولاد بھی ہوئی۔ جمادی الثانی ۴ ہجری میں اور بعض روایات کے مطابق

۳ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۵۵)
کہا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تمام ازواج مطہرات کے بعد انتقال فرمایا

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا تھا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنا رکھا تھا مگر چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر غلامی کا نام آچکا تھا اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس عقد کو پسند نہ کرتی تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعمیل ارشاد کے لیے راضی ہو گئیں۔ ایک سال کے قریب حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں مگر چونکہ طبعی موافقت نہ تھی، ہمیشہ شکر رنجی رہا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طلاق کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ نے ان کو سمجھا کر طلاق سے روکا لیکن پھر کسی طرح موافقت نہ ہوئی جب وہ آزاد ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تسلی اور دل جوئی کے لیے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن اس وقت عرب کے خیال میں متبنیٰ کو اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے رُکتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا لیکن چونکہ یہ جاہلیت کی رسم تھی جس کا مٹانا اسلام کا فرض تھا اس لیے آیت نازل ہوئی کہ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ ڈرنا اللہ سے چاہیے۔ (سورۂ احزاب)

غرض! ۴ ھ سنہ میں اور بعض روایات کے موافق ۳ ہجری یا ۵ ہجری میں خداوند عالم کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان سے نکاح کر لیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک یعنی متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم نہیں رکھتا۔ اس کی بیوی بعد قطع تعلق کے حرام نہیں ہوتی اور جن لوگوں نے خدا کے اس حلال کو عقیدتاً یا عملاً حرام کر

رکھا ہے وہ آئندہ اس غلطی سے نکل جائیں اور جاہلیت کی یہ رسم ٹوٹ جائے لیکن اس دیرینہ رسم کا ٹوٹنا جب ہی ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود عملاً اس کا نفاذ کریں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس نکاح کے متعلق جو کچھ ہم نے لکھا ہے نہایت صحیح روایات سے لکھا ہے جن کو صحیح بخاری کی شرح میں حافظِ حدیث علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ (دیکھو! فتح البخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب)

اس کے علاوہ جو لغو روایات مشہور کی گئی ہیں وہ سب منافقین کفار کی گھڑی ہوئی ہیں جن کو بعض مسلمان مؤرخین نے بھی بلا تنقید نقل کر دیا ہے۔ وہ محض جھوٹ اور افترا ہے

حضرت صفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا

حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہیں۔ یہ صرف ان کی خصوصیت تھی کہ ایک نبی کی صاحبزادی اور ایک نبی کی زوج تھیں۔ پہلے کنانہ ابن ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں۔ ان کے قتل کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

خزاعیہ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی ہیں، جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ان کی بدولت تمام قبیلہ آزاد ہو گیا اور ان کے باپ مسلمان ہو گئے۔

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا

اول مسعود بن عمر کے نکاح میں تھیں، اس نے طلاق دے دی تو ابورہم سے نکاح ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ (سیرت مغلطائی ۶۶)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری ازواج میں سے ہیں۔ ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

کوئی نکاح نہیں کیا۔ ان کے علاوہ اور بعض خواتین سے نکاح ہوا مگر ان کو شرف مصاحبت حاصل نہیں ہوسکا بلکہ قبل از رخصت ہی بعض وجوہ سے علیحدگی ہوگئی۔ جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

تعدد ازدواج کے متعلق ضروری تنبیہ

ایک مرد کے لیے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا۔ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، یونان، بابل، آسٹریا وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازدواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی لیکن نبھ نہ سکی۔ بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب اس کو رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے تعدد ازدواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے

(دیکھو لائف [1] مؤلفہ جان ڈیون پورٹ۔ ۵۰)

البتہ دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ اسلام سے پہلے تعدد ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، ایک ایک شخص کے تحت چار چار ہزار عورتیں تک رہتی تھیں۔ عیسائیوں کے پادری برابر کثرت ازواج کے عادی تھے۔ سولھویں صدی عیسوی تک جرمنی میں اس کا عام رواج تھا۔ شاہ فلسطین اور ان کے جانشینوں نے بہت سی بیویاں کیں۔ [2]

---

[1] اسی طرح پادری فکس اور جان ملٹن اور ایزک ٹیلر وغیرہ نے پُرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔

[2] موجودہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سات سو بیویاں تھیں اور تین سو حرم تھیں۔ اول سلاطین ۳ / ۱۱۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین بیویاں تھیں اور حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی چار چار۔ بائبل پیدائش ۲۹ / ۳۰)

اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود ازواج کو جائز رکھتی ہے اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک ایک وقت میں جمع کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔[1]

غرض! اسلام سے پہلے کثرت ازدواج ایک غیر محدود صورت سے رائج تھی جہاں تک مذہب وممالک کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود نے، نہ نصاریٰ نے، نہ ہندوؤں نے، نہ آریوں نے، نہ پارسیوں نے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہ رسم اسی طرح بغیر تحدید جاری رہی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں بھی خاص خاص اسلامی ضرورتوں کی بنا پر دس ازواج تک جمع ہوگئیں۔

پھر جب اس کثرت ازواج سے عورتوں کی حق تلفی ہونے لگی، لوگ اول تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے مگر پھر ان سب کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے۔ قرآن عزیز کا ابدی قانون جو دنیا سے ظلم وجور کو مٹانے کے لیے ہی نازل ہوا ہے اس نے فطری ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے تعدد ازدواج کو بالکل منع تو نہ کیا لیکن خرابیوں کی اصلاح ایک تحدید سے کردی اور یہ ارشاد خداوندی نازل ہوا کہ اب صرف چار عورتوں تک نکاح کر سکتے ہو اور وہ بھی اس شرط پر کہ تم چاروں کے حقوق برابر ادا کر سکو اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو پھر ایک سے زیادہ رکھنا ظلم ہے۔

اس ارشاد کے بعد باجماع امت چار سے زائد بیویوں کا نکاح میں جمع رکھنا حرام

---

[1] منوجی جو ہندوؤں اور آریوں میں مسلّم بزرگ اور پیشوا مانے جاتے ہیں، دھرم شاستر میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کی چار پانچ عورتیں ہوں اور ایک ان میں سے صاحب اولاد ہو تو باقی بھی صاحب اولاد ہی کہلاتی ہیں۔ (منوادھیائے ۹، اشلوک ۱۸۲) رسالہ ازدواج امرتسر شری کرشن جی جو ہندوؤں میں واجب التعظیم اوتار جانے جاتے ہیں، ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں۔

ہوگیا۔جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا، انہوں نے چار کو رکھ کر باقی کو طلاق دے دی۔

حدیث میں ہے کہ حضرت غیلان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ چار رکھ کر باقی کو طلاق دے دیں۔

اسی طرح نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھی۔آپ ﷺ نے ایک کو طلاق دینے کا حکم فرمایا(تفسیر کبیر، ص ۱۳۷ ج ۳)

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اس عام قانون کی رو سے چار سے زائد نہ رہنی چاہیے تھیں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ امہات المومنین دوسری عورتوں کی طرح نہیں۔خود قرآن کا ارشاد ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

ترجمہ:...... ''اے نبی کی عورتو! تم نہیں ہو جیسی ہر کوئی عورتیں۔''

وہ تمام امت کی مائیں ہیں۔آنحضرت ﷺ کے بعد وہ کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔اب اگر عام قانون کے تحت چار کے سوا باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جاتا تو ان پر کتنا ظلم ہوتا کہ اب عمر بھر کے لیے معطل ہو جائیں اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی چند روزہ صحبت ان کے لیے عذاب بن جاتی کہ ادھر تو فخر دو عالم ﷺ کی صحبت چھوٹتی ہے اور ادھر ان کو اس کی بھی اجازت نہیں ملتی کہ کسی اور جگہ اپنا غم غلط کرسکیں۔

اس لیے کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ ازواج مطہرات اس عام قانون کے ماتحت آئیں خصوصاً وہ خواتین جن کا نکاح اس لیے عمل میں آیا تھا کہ ان کے خاوند شہید ہوگئے اور وہ بے سروسامان رہ گئیں۔آپ ﷺ نے ان کی دل داری کے

لیے ان سے نکاح کرلیا۔ اب اگر ان کو طلاق دی جاتی تو ان پر کیا گزرتی۔ یہ اچھی دل داری ہوتی کہ وہ اب تمام عمر نکاح سے محروم ہوگئیں۔

اس لیے بحکم خداوندی چار سے زائد بیویوں کو رکھنا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ٹھہری۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے حالات جوامت کے لیے تمام دین و دنیا کے معاملات میں دستور العمل ہیں ہم تک صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے ذریعے سے پہنچ سکتے ہیں اور یہ ایک ایسا مقصد ہے کہ اس کے لیے تو نو خواتین بھی کم ہیں۔ ان حالات پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی انسان کہہ سکتا ہے کہ یہ خصوصیت معاذ اللہ! کسی نفسانی خواہش پر مبنی تھی۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت سارا عرب و عجم مخالفت کے لیے کھڑا ہوا، قتل کے منصوبے گانٹھے، طرح طرح کے عیب لگائے، بہتان باندھے (پناہ خدا) مجنون کہا، کذاب بتلایا، غرض اس آفتاب عالم تاب پر خاک ڈالنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خود خاک آلود ہوئے، یہ سب کیا، لیکن کسی کافر نے خواہشات نفسانی اور عورتوں کے معاملے میں بھی کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی الزام لگایا! نہیں اور ہرگز نہیں! یہاں افترا کے بھی پاؤں نہ ہوئے ورنہ کسی نیک نام کو بدنام کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی حربہ نہیں ہوسکتا۔ اگر ذرا انگلی رکھنے کی جگہ ہوتی تو کفارِ عرب جو گھر کے بھیدی تھے سب سے بڑھا چڑھا کر اس کو عیوب میں شمار کرتے لیکن وہ اتنے بے وقوف نہ تھے کہ مشاہدات کا انکار کر کے اپنی بات کا اعتبار کھودیتے۔

کیونکہ تقویٰ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ لوگوں کے سامنے تھی جس میں وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ شباب کا بڑا حصہ تو محض تجرّد اور خلوت گزینی

میں گزرا پھر جب عمر شریف پچیس سال میں پہنچی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے نکاح کی درخواست ہوئی جو بیوہ اور صاحب اولاد ہونے کے ساتھ اس وقت چالیس سال کی عمر میں بڑھاپے کا زمانہ گزار رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں اور دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی ماں تھیں۔ بارگاہ نبوت میں ان کی درخواست رد نہ کی گئی اور پھر اکثر عمر اسی ایک نکاح میں گزار دی گئی اور وہ بھی اس طرح کہ ان کو چھوڑ کر حراء کے لق و دق غار میں ایک ایک مہینہ محض عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور عمر کا بڑا حصہ اسی نکاح پر گزارا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی اولاد ہوئی وہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہے۔

البتہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب کہ عمر شریف پچاس سال سے بڑھ چکی تھی تو یہ سارے نکاح ظہور میں آتے ہیں اور خاص خاص ضرورتوں کے تحت دس خواتین تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں داخل ہوتی ہیں جو سب کی سب (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا) بیوہ ہیں اور بعض صاحب اولاد بھی۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے گمان نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی سلیم الحواس انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تعدد ازدواج کو معاذ اللہ کسی نفسانی خواہش کا نتیجہ بتلا سکے۔ اگر کوئی شپرہ چشم آفتاب نبوت کی عظمت و جلال کو بھی نہ دیکھ سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، اعمال، تقویٰ، طہارت، زہد و ریاضت اور مقدس زندگی کے تمام گرد و پیش کے حالات سے بھی آنکھ چرا لے تو خود ان متعدد نکاحوں کے واقعات و حالات ہی اس کو یہ کہنے پر مجبور کریں گے کہ تعدد ازدواج یقیناً کسی انسانی خواہش پر مبنی نہ تھا ورنہ ساری عمر ایک سن رسیدہ عورت کے ساتھ گزار دینا، پچپن سالہ کو اس کام کے لیے تجویز کرنا کسی انسان کی عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔

خصوصاً جب کہ کفارِ عرب اور رؤساءِ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک اشارہ پر اپنا منتخب حسن و جمال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر نثار کر دینے کے لیے بھی تیار تھے، جیسا کہ سیر و تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی شاہد ہیں۔

اور اس سے بھی قطع نظر کی جائے تو خود مسلمان کی جمعیت بھی اس عرصے میں لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکی تھی جن کی ہر عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عقد میں داخل ہونے کو بجا طور پر فلاحِ دارین سمجھتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر تاجدارِ نبوت کے عقد میں پچاس سال تک صرف ایک خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کی عمر بوقتِ نکاح بھی چالیس سال تھی پھر اس کے بعد بھی جن خواتین کا نکاح کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے وہ ایک کے سوا سب کی سب بیوہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔ امت کی بے شمار کنواری لڑکیاں اس وقت بھی انتخاب میں نہیں آئیں۔ اس مختصر رسالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ دکھلا دیا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ متعدد نکاح کس قدر اسلامی اور شرعی ضرورتوں پر مبنی تھے۔ نیز اگر یہ نہ ہوتے تو بہت سے وہ احکام جو عورتوں ہی کے ذریعے سے امت تک پہنچ سکتے تھے وہ سب مخفی رہ جاتے۔[1]

کس قدر بے حیائی اور حق کشی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس تعدد ازدواج کو نفسانی خواہشوں پر محمول کیا جائے، اگر باطل پرستوں نے عقل وحواس کو اندھا کر دیا تو کوئی کافر بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نو ازواج مطہرات کو چھوڑ کر انتقال فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد سب سے پہلے ازواج مطہرات میں سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور سب سے آخر

---

[1] الحمد للہ کہ حضرت سیدی وسندی حکیم الامت تھانوی صاحب دامت برکاتہم (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس ضرورت کو اس طرح پورا فرمایا کہ ایک رسالہ میں ان تمام احادیث کو جمع فرمایا جو ازواج مطہرات کے ذریعے خانگی زندگی کے متعلق منقول ہوئی ہیں۔ اس رسالہ کا نام تعدد ازدواج صاحب المعراج رکھا گیا۔

میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور پھوپھیاں

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے: حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، عباس رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ، ابوطالب، عبداللہ جن میں سے عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد ہیں باقی نو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے سب بھائیوں میں چھوٹے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں چھ ہیں: امیمہ، ام حکیم، برہ، عاتکہ، صفیہ، اروی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہرہ داری کرنے والے

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنہوں نے غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگہبانی کی۔

حضرت ذکوان بن عبد قیس اور محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہما نے غزوۂ اُحد میں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے خندق میں اور حضرت عباد بن بشیر، سعد بن ابی وقاص، ابوایوب اور بلال رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وادی قریٰ میں۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تعالیٰ خود آپؐ کی حفاظت کریں گے)۔

تو پہرہ داری اٹھا دی گئی۔

بناءِ کعبہ اور قریش کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باتفاق ''امین'' تسلیم کرنا

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس سال کی ہوئی تو اس وقت قریش نے [1] بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا۔ بیت اللہ کی تعمیر ہر شخص اپنی سعادت سمجھتا تھا اور قبائل قریش نے اپنی قسمتوں کا فیصلہ اس پر کر رکھا تھا کہ اس تعمیر میں زیادہ حصہ لیا جائے۔

---

[1] اس سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر اول حضرت شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی۔ ۱۲

چنانچہ اس تعمیر کو قبائل میں تقسیم کرنے کی نوبت آئی تاکہ کوئی جھگڑا پیش نہیں آئے۔

اسی تقسیم عمل کے ساتھ بناء کعبہ حجر اسود کی حد تک پہنچ گئی لیکن اب حجر اسود کو اٹھا کر تعمیر میں نصب کرنے کے متعلق سخت اختلاف ہوا۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ اس سعادت کو حاصل کرے یہاں تک کہ قتل وقتال پر عہد و پیمان ہونے لگے۔ قوم کے بعض سنجیدہ لوگوں نے ارادہ کیا کہ مشورہ کر کے کوئی صلح کی صورت نکالیں اور اس غرض کے لیے مسجد میں گئے۔ مشورہ میں یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجد کے اس دروازے سے داخل ہو وہ تمہارے معاملے کا فیصلہ کرے اور اس کے حکم کو ہر شخص دستِ قدرت کا فیصلہ سمجھ کر تسلیم کرلے۔

خدا کی قدرت کہ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ اس دروازے سے داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ امین ہیں، ہم ان کے حکم پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہ حکیمانہ فیصلہ کیا کہ سب خوش ہو گئے یعنی ایک چادر پھیلائی اور اس میں حجر اسود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھ دیا اور پھر حکم دیا کہ ہر قبیلہ کا منتخب آدمی چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ لے۔ اس طرح کیا گیا جب بنیاد تک پہنچ گیا تو خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھ دیا۔

ابن ہشام اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ نبوت سے پہلے تمام قریش بالاتفاق آپ ﷺ کو امین کہتے تھے۔ (سیرت ابن ھشام، صفحہ ۱۰۵ ج ۱)

عطاءِ نبوت

جب آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس برس ایک دن کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر بھی باضابطہ آپ ﷺ کو خلعتِ نبوت کے ساتھ ممتاز و مشرف فرمایا جس کی تاریخ ولادت کی طرح ماہ ربیع الاول بروز دوشنبہ ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی

مختلف اقوال ہیں۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۱۴)

دنیا میں اشاعت اِسلام

تبلیغ کا پہلا قدم

ابتداء جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ اعلاناً تبلیغ کے لیے مامور نہ تھے بلکہ اس میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے لیے احکام تھے پھر کچھ دنوں سلسلہ وحی منقطع رہنے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دوبارہ وحی شروع ہوئی تو اس میں آپ کو تبلیغ اسلام کے لیے حکم ہوا مگر دنیا میں جہالت وضلالت کی حکومت تھی، بالخصوص عرب کا غرور وتکبر اور تقلید آبائی انہیں حق پر کان لگانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس لیے ابتدا میں حکمتِ الٰہیہ کا اقتضا یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلاناً تبلیغ واشاعت اسلام کا امر نہ کیا جائے تاکہ اول ہی سے لوگ متنفر نہ ہوجائیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداءً دعوت اسلام اپنی جان پہچان کے لوگوں اور ان شخصوں میں شروع کی جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتماد تھا یا آپ فراست کے ذریعے ان میں خیر وصلاح کے آثار دیکھتے تھے۔

اس طریق سے سب سے پہلے زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست تھے اور آپ کے صدق ودیانت واخلاق سے خوب واقف تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو رسالتِ الٰہیہ کی خبر دی تو فوراً آپ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے مسلّم بزرگ تھے۔ تمام معاملات میں لوگ ان پر اعتبار کرتے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو دعوت اسلام دینی شروع کی جن میں کچھ خیر وصلاح کے آثار دیکھے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم نے ان کی دعوت قبول کی اور آپ رضی اللہ عنہ ان سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

ان کے بعد ابوعبیدہ بن جراح، عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب، سعید بن زید عدوی، ابوسلمہ مخزومی، خالد بن سعید بن العاص، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبیداللہ، ارقم بن ارقم رضوان اللہ علیہم اجمعین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ سب کے سب قریش میں سے تھے اور غیر قریش میں سے صہیب رومی، عمار بن یاسر، ابوذر غفاری، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اسلام میں داخل ہوئے۔

اس وقت تک یہ دعوت اسلام محض خفیہ جاری تھی۔ عبادات اور اعمال شرعیہ بھی چھپ چھپ کر ادا کیے جاتے تھے یہاں تک کہ بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے چھپ کر نماز پڑھتا تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد تیس سے بڑھ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک وسیع گھر مقرر کر دیا جس میں وہ سب جمع ہوجایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو تعلیم فرماتے تھے۔ اس طریقہ کی دعوت اسلام تین سال تک جاری رہی۔ اسی دوران قریش کی ایک خاص جماعت اسلام میں داخل ہوگئی اور پھر اور لوگ بھی داخل ہونے شروع ہو گئے اور یہ خبر مکہ میں پھوٹ نکلی اور لوگوں میں جا بجا اس کا چرچا ہونے لگا اور اب اعلاناً دعوت حق کا وقت آ پہنچا۔

اعلاناً دعوتِ اسلام

تین سال کے بعد جب کہ کثرت سے مرد وعورت اسلام میں داخل ہونے لگے اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ علی الاعلان لوگوں کو کلمہ حق پہنچائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور مکہ کی پہاڑی صفاء پر چڑھ کر قبائل قریش کا نام لے لے کر آواز دی جب تمام قبائل جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً سب سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ کو خبر دوں کہ غنیم کا لشکر تم پر چڑھا چلا آ رہا ہے اور قریب ہے کہ تم پر لوٹ ڈال دے تو کیا میری تصدیق کرو گے؟

سب یہ سن کر یک زبان ہو کر بولے کہ بے شک ہم آپ کی خبر کو بالکل حق سمجھیں گے کیونکہ ہم نے آج تک کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں خبر دیتا ہوں کہ تم نے اپنے باطل عقائد کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب تم پر آنے والا ہے۔ اور فرمایا:

جہاں تک مجھے معلوم ہے دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لیے اس تحفے سے بہتر تحفہ لے کر نہیں آیا جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے دین و دنیا کی فلاح و بہبود لے کر آیا ہوں اور خداوند عالم نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ خدا کی قسم! اگر میں تمام دنیا کے انسانوں سے جھوٹ بولتا تب بھی تمہارے سامنے جھوٹ نہ بولتا اور اگر ساری دنیا کو دھوکا دیتا تب بھی تمہیں دھوکا نہ دیتا۔ اس ذات قدوس کی قسم ہے جو ایک ہے اور جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام عالم کی طرف عموماً خداوند تعالیٰ کا رسول و پیغمبر ہوں۔

از دروس السیرت، صفحہ ۱۰

تمام عرب کی مخالفت وعداوت

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت

یہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ عرب کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی میں ان کے بتوں کی حقیقت کھولی گئی ہے۔ ان کی پرستش کرنے والوں کی بے وقوفی ظاہر کی گئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کی باتوں سے روک دیں یا آپ ان کی حمایت چھوڑ دیں۔

ابو طالب نے ایک عمدہ پیرائے میں جواب دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کلمۂ حق کی نشر واشاعت میں سرگرم اور بتوں کی عبادت سے لوگوں کو منع کرتے رہے۔ جب عرب کو اس پر صبر نہ ہو سکا تو پھر ابو طالب کے پاس آئے اور سختی سے ان سے مطالبہ کیا کہ یا آپ اپنے بھتیجے کو باز رکھیں ورنہ ہم سب تمہارے خلاف جنگ کریں گے یہاں تک کہ فریقین میں سے کوئی ایک فنا ہو جائے۔

تمام قبائل عرب کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

اب تو ابو طالب کو بھی فکر ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس معاملے میں گفتگو کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عم بزرگوار! خدا کی قسم! اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا کلمہ اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں تو میں ہرگز اس کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ یا خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم اسی طرح میں اپنی جان دے دوں۔

ابو طالب نے جب یہ رنگ دیکھا تو کہا: اچھا جاؤ تم اپنا کام کرتے رہو۔ میں

تمہاری حمایت ونصرت سے کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔

لوگوں میں نفرت پھیلانا اور اس کا اُلٹا نتیجہ

جب قریش نے دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں ادھر موسم حج قریب ہے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ میں سرگرم کوشش کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام حق کی مقناطیسی کشش سے سب واقف تھے، اس لیے اندیشہ ہے کہ اب ان کا مذہب تمام دنیا کے اطراف میں پھیل جائے گا تو سب نے جمع ہوکر یہ طے کیا کہ مکہ کے تمام راستوں پر اپنے آدمی بٹھا دیے جائیں تاکہ اطراف عالم سے جو لوگ حج کے لیے آئیں تو انہیں دور ہی سے کہہ دیا جائے کہ یہاں ایک ساحر ہے جو اپنے کلام سے باپ بیٹے اور خاوند بیوی اور تمام رشتہ داریوں میں تفریق ڈال دیتا ہے تم اس کے پاس نہ جاؤ لیکن:

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ◆ کسے کش تف زند ریشش بسوزد [1]

خدا کی قدرت ان کا یہ طرز عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا کام کر گیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ممکن تھا کہ بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ سنتے لیکن ان کی اس جدوجہد نے سب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشتاق بنا دیا۔

قریش کی ایذا رسانی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت

جب قریش اپنی تدبیروں میں ناکام رہے اور دیکھا کہ روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت عام ہوتی جاتی ہے اور لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اب ہر قسم کی ایذا رسانی شروع کی۔ مکہ کے چند اوباش لوگوں کو جمع کر کے اس پر آمادہ کیا کہ وہ آپ

---

[1] جس چراغ کو حق تعالیٰ روشن فرمائیں جو شخص (بجھانے کے لیے) اس پر پھونک مارتا ہے اس کی ہی داڑھی جل جاتی ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر مجلس میں استہزاء کریں اور جس صورت سے ممکن ہو آپ کو تکلیف پہنچائیں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ اور آپ کا بیّن معجزہ

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے جب سجدے میں گئے تو ابوجہل نے موقع غنیمت سمجھ کر ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک کچل ڈالے مگر:

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است [1]

جب پتھر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچتا ہے تو ہاتھ کانپ جاتے ہیں۔ پتھر ہاتھ سے گر جاتا ہے، رنگ فَق ہو جاتا ہے اور بھاگ کر اپنی جماعت کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی جانب ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو ایک عجیب وضع کا اونٹ منہ کھولے ہوئے میری طرف جھپٹا اور قریب تھا کہ مجھے کھا جائے۔ میں نے ایسا اونٹ آج تک کبھی نہیں دیکھا۔

یہ وہ واقعہ ہے جو کفار کے مجمع میں سب کے سامنے پیش آیا اور خود کفار کے سردار ابوجہل نے اس کا اقرار کیا۔

ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، ابولہب، عاص بن وائل، اسود بن یغوث، اسود بن عبدالمطلب، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث یہ لوگ ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درپے آزار رہتے تھے۔ ان میں سے کسی کو اسلام کی توفیق نہیں ہوئی بلکہ سب کے سب نہایت ذلیل ہو کر ہلاک ہوئے۔ کچھ غزوۂ بدر میں تلوار کے گھاٹ اتر گئے اور کچھ نہایت گندے اور سخت امراض میں گل سڑ کر مر گئے۔

---

[1] اگر دشمن قوی ہے تو نگہبان اس سے زیادہ قوی ہے۔

قریش کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کی طمع دینا

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب

جب کفار قریش نے دیکھا کہ یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوتی تو سب نے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ وہ اپنے سب سے زیادہ چالاک سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجیں تاکہ وہ آپ کو ہر قسم کی دنیاوی طمع دلائے شاید اس تدبیر سے آپ اپنے دعوے سے خاموش ہو بیٹھیں۔ عتبہ بن ربیعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے پاس جا کر کہا کہ بھتیجے! تم حسب ونسب کے اعتبار سے ہم سب میں بہتر ہو اور اس کے باوجود تم نے اپنی جماعت میں تفریق ڈال دی اور ان کے معبودوں کو اور ان کو برا بھلا کہا، ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو جاہل ٹھہرایا، تم آج اپنے دل کی بات کہہ دو۔ اگر ان سارے قصوں سے تمہاری غرض یہ ہے کہ بڑی دولت جمع کر لو تو سنو! ہم تمہارے واسطے اتنا مال جمع کر دینے کے لیے تیار ہیں کہ تم اہل مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں سرداری حاصل ہو جائے تو اس پر راضی ہیں کہ تمام قریش کا سردار بنا دیں اور آپ کے حکم کے بغیر کوئی ذرہ نہ ہلائیں اور اگر آپ کی غرض بادشاہت ہے تو ہم آپ کو سب کا بادشاہ بھی بنا سکتے ہیں اور اگر تم پر معاذ اللہ! کسی جن کا اثر ہے اور یہ اسی کا کلام (وحی) تم لوگوں کو سناتے ہو اور تم اس کے دفع کرنے سے عاجز ہو تو ہم آپ کے لیے کوئی طبیب تلاش کریں جو آپ کا علاج کرے۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۲۰)

جب عتبہ اپنے کلام سے فارغ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ساری داستان کے جواب میں ایک سورت قرآن کی سنا دی جس کو سن کر عتبہ ہکا بکا رہ گیا اور اپنی قوم میں واپس آ کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم! آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے

پہلے اپنی عمر میں کبھی نہیں سنا تھا۔ خدا کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ نجومیوں کا کلام ہے اور نہ سحر ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم سب اس شخص (آنحضرت ﷺ) کی ایذا سے باز آؤ! کیونکہ ان کا جو کلام میں نے سنا ہے واللہ! اس کی شان عظیم ظاہر ہونے والی ہے۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم میری بات مانو اور زیادہ نہیں تو کچھ دنوں تک انتظار کرو۔ اگر عرب ان پر غالب آ گئے تو تم مفت میں اس تکلیف سے نجات پاؤ گے اور اگر وہ عرب پر غالب آ گئے تو ان کی عزت ہماری ہی عزت ہے کیونکہ وہ ہمارے ہی قبیلے سے ہیں۔

قریش اپنے سب سے زیادہ ہوشیار سردار کی یہ باتیں سن کر حیران رہ گئے اور یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ اس پر محمد نے جادو کر دیا ہے۔ (دروس السیرۃ، صفحہ ۱۴)

جب قریش کا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا تو اب نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور متعلقین واقربا کو بھی ستانا اور طرح طرح کی ایذائیں دینا شروع کیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت ایذائیں دی گئیں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ اسی بنا پر نہایت دردناک طریقے سے شہید کی گئیں اور یہ سب سے پہلا واقعہ شہادت ہے جو اسلام میں پیش آیا۔ (دروس السیرۃ، صفحہ ۲۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہجرت حبشہ کا حکم

آنحضرت ﷺ اپنی ذات پر ہر قسم کے مظالم اور تکالیف برداشت کرتے رہے مگر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اقارب تک اس کی نوبت پہنچی اور دیکھا کہ وہ نہایت صبر کے ساتھ تمام مظالم سہنے کے لیے تیار ہیں مگر اس کلمہ حق اور نور الٰہی سے منہ موڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو ان کو آپ ﷺ کے ذریعہ سے وصول ہوا ہے تو ان حضرات کو اجازت دی کہ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں۔ عطائے

نبوت سے پانچویں سال رجب میں بارہ [۱] مرد اور عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اور آپ کی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ (دروس السیرۃ، صفحہ ۱۵)

نجاشی بادشاہ حبشہ نے ان مہاجرین کا اکرام کیا۔ یہ سب امن و عافیت کے ساتھ رہنے لگے۔ جب قریش کو اس کی خبر ہوئی تو عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی [۲] کے پاس بھیجا کہ یہ لوگ مفسد ہیں ان کو اپنی قلمرو میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دو بلکہ ان کو ہمارے سپرد کردو۔

نجاشی ایک سنجیدہ آدمی تھا اس نے ان کے جواب میں کہا کہ میں یہ کام اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک ان کے مذہب اور خیالات کی تحقیق نہ کرلوں۔ ان حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نجاشی نے یہ دریافت کیا کہ اپنا مذہب اور اس کے صحیح واقعات بتلائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: [۳]

”شاہا! ہم پہلے جاہلیت والے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مُردار کھاتے تھے، فحش کاری، قطع رحمی اور بد خلقی میں مبتلا تھے۔ ہمارا قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جو ہمارے ہی کنبہ سے ہے۔ ہم ان کے نسب، سچائی، امانت اور عفت کو خوب جانتے ہیں اور انہوں نے ہمیں اس کی دعوت دی کہ اللہ کو ایک سمجھیں اور اس کے ساتھ کسی کو سہیم و شریک نہ جانیں اور بت پرستی چھوڑ دیں، سچ بولیں، عزیز و اقارب کے

---

[۱] از سیرت مغلطائی صفحہ ۲۱۔ مہاجرین کی تعداد میں اور بھی مختلف اقوال ہیں۔ ۱۲ منہ

[۲] ملک حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔ ۱۲ مغلطائی

[۳] یورپ کے بعض مشہور سیاسی لوگوں نے (غالباً لارڈ کرومرنے) کہا کہ اگر مشرق و مغرب کے علما جمع ہو کر دین اسلام کی حقیقت بیان کرنا چاہیں تو اس سے اچھا بیان نہیں کر سکتے جو مہاجرین حبشہ نے بیان کیا۔ صفحہ ۲۱۔ ۱۲ منہ

ساتھ صلہ رحمی کریں، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ محرمات سے منع فرمایا، خون بہانے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے سے روکا اور ہمیں نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کا حکم فرمایا۔ ہم نے جب یہ سنا تو اس پر ایمان لے آئے۔

نجاشی [1] یہ سن کر متاثر ہوا، قریش کے دونوں قاصدوں کو واپس کر دیا اور مسلمان ہو گیا مہاجرین تقریباً تین مہینے وہاں امن و عافیت کے ساتھ قیام کر کے واپس آ گئے اس وقت تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی مردم شماری چالیس مرد اور گیارہ عورتوں سے زائد نہ تھی۔ فاروق اعظم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے داخل اسلام ہونے سے مسلمانوں کو ایک قسم کی شوکت حاصل ہوئی اور وہ لوگ جو دلائل واضحہ کے ذریعہ سے اسلام کی حقانیت کا یقین کر چکے تھے مگر قریش کی ایذا کے خوف سے اسلام ظاہر نہ کرتے تھے اب اعلانیہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح قبائل عرب میں اسلام پھیلتا اور ترقی کرتا رہا۔

جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت روز بروز ترقی کرتی جا رہی ہے تو انہیں اپنا انجام نظر آنے لگا۔ تمام قریش نے یہ طے کیا کہ بنی عبد المطلب اور بنی ہاشم سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں ورنہ ہم ان سے بالکل قطع تعلق کر دیں گے۔

مگر بنی عبد المطلب نے اس کو منظور نہ کیا تو باتفاق رائے یہ عہد نامہ [2] لکھا گیا کہ بنی

---

[1] یہ نجاشی کوئی اور شخص ہے (جو نبوت کے پانچویں سال مسلمان ہوا)۔ اصحمہ جس کا ذکر ۶ ہجری میں، اسلام لانے میں آتا ہے، وہ اور ہے۔ ۱۲

[2] یہ عہد نامہ منثور بن عکرمہ نے لکھا تھا اور اسی کی شامت میں اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ از سیرت مغلطائی صفحہ ۲۴،۲۱ منہ

ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے بالکل مقاطعہ کیا جائے۔ رشتے ناتے، نکاح بیاہ، خرید و فروخت سب بند کر دیے جائیں اور یہ عہد نامہ بیت اللہ کے اندر معلق کر دیا گیا۔

ایک پہاڑی کی گھاٹی میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے تمام رفقا و اقربا کو مقیّد کر دیا گیا۔ اس وقت ابولہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے تمام افراد بلا امتیاز مسلم و کافر سب کے سب ابوطالب کے ساتھ رہے اور اس گھاٹی میں مقید و محصور ہو گئے۔ سب طرف سے آمد و رفت کے رستے بند تھے۔ خورد و نوش کا جو سامان تھا ختم ہو گیا تو سخت اضطراب پیش آیا۔ شدّتِ بھوک سے درختوں کے پتے تک کھانے کی نوبت آئی۔

یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے فرمایا۔ اس مرتبہ ایک بڑے قافلے نے ہجرت کی جس کی تعداد تراسی (۸۳) مرد اور بارہ عورتیں [۱] بیان کی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ یمن کے مسلمان بھی مل گئے جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم بھی تھی۔

ادھر نبی کریم ﷺ اور باقی آل و اصحاب نے تقریباً تین سال [۲] انہی مظالم اور مصائب کے ساتھ بسر کیے۔ اس کے بعد چند آدمی اس عہد کو توڑنے اور آپ ﷺ پر سے یہ محاصرہ اٹھا دینے پر آمادہ ہوئے اور آنحضرت کو بذریعۂ وحی بتلایا گیا کہ اس عہد نامہ کو دیمک نے کھا لیا ہے اور بجز خدا کے نام کے اس میں کوئی حرف نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے بیان کیا، دیکھا تو ٹھیک اسی طرح نکلا جیسا کہ آپؐ نے بیان فرمایا تھا الغرض آپ ﷺ سے محاصرہ اٹھا دیا گیا۔

---

[۱] از سیرت مغلطائی صفحہ ۲۴۔ ۱۲ منہ

[۲] بعض روایات میں دو سال اور بعض میں چند سال بیان کیے جاتے ہیں۔ از سیرت مغلطائی۔ صفحہ ۱۳۔ ۱۲ منہ

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اسلام

اسی عرصے میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ جو نہایت شریف اور اپنی قوم کے سردار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی بدیہی حقانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھ کر برضا و رغبت مسلمان ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے، میں جا کر ان کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی سے دعا کیجیے کہ میرے ساتھ کوئی ایسی کھلی ہوئی علامت ظاہر کر دی جائے جس کے ذریعے میں ان کو اپنی باتوں کا یقین دلا سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو اللہ تعالٰی نے ان کی پیشانی پر ایک ایسا نور چمکا دیا کہ جو اندھیرے میں ایک نہایت روشن چراغ کی طرح چمکتا تھا۔ جب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس گئے تو یہ خیال ہوا کہ کہیں میری قوم اس نور کو مصیبت اور بیماری نہ سمجھے اور یہ نہ کہے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مجھ پر مرض مسلط ہو گیا ہے۔ اس لیے دعا کی کہ یہ نور آپ کے تازیانہ [1] میں آ جائے۔ اللہ تعالٰی نے دعا قبول فرمائی اور اس نور کو ان کے کوڑے کے ساتھ معلق قندیل کی طرح لگا یا۔ اپنے قبیلے میں پہنچ کر تبلیغ کی، کچھ آدمی آپ کی سعی سے مسلمان ہو گئے مگر چونکہ ان کے گمان کے مطابق زیادہ نہ ہوئے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ میری سعی کامیاب ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: جاؤ اب تبلیغ کرو اور نرمی سے کام لو۔

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ لوٹے اور پھر لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور خدا کے فضل سے ایسے کامیاب ہوئے کہ غزوۂ خندق کے بعد ستّر اسّی (۷۰، ۸۰) گھرانے

---

[1] یعنی کوڑا اور چابک ۱۲ منہ

مسلمان کر کے غزوۂ خیبر میں اپنے ساتھ لائے اور سب شریک جہاد ہوئے۔
(سیرت مغلطائی للحافظ علاؤ الدین، صفحہ ۲۵)

ابوطالب کی وفات

اسی عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کی وفات ہوگئی۔ سیرت مغلطائی، صفحہ ۲۵ یہ سانحہ نبوت سے دسویں سال ماہ شوال کے نصف پر پیش آیا اور اس کے تین [1] دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال [2] کو غم کا سال فرمایا۔ (از سیرت مغلطائی، صفحہ ۳۰)

ہجرت طائف

ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کو موقع مل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل مکہ کے قبول اسلام سے مایوسی کی صورت پیدا ہونے لگی تو اسی سال یعنی ۱۰ نبوی میں آخر ماہ شوال میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے اور اہلِ طائف کو کلمۂ حق کی دعوت دی اور ایک ماہ تک متواتر ان کی تبلیغ و ہدایت میں مصروف رہے مگر ایک شخص کو بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوئی بلکہ ظالموں نے اپنے شہر کے چند اوباش لوگوں کو سکھا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائیں۔ یہ سنگ دل بدنصیب اس سرورِ کائنات کے درپے ہوگئے کہ شان رحمۃ للعالمین مانع نہ ہوتو ان کی ایک جنبشِ لب میں ان کی ساری بدمستیوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔ طائف اور طائف کے بسنے والوں کا

---

[1] تاریخ وفات میں اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ مثلاً ماہ رمضان ہجرت سے ۵ سال پہلے چار سال پہلے بعد معراج۔ کذافی سیرت مغلطائی، صفحہ ۲۶

[2] اور اسی سال حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد ان سے نکاح ہوا ہے۔ (سیرت مغلطائی ص ۲۶)

نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹایا جا سکتا تھا۔

ان بد بخت لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کیے جن سے سرور عالم ﷺ کے قدم شریف زخمی ہو جاتے تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جس طرف سے پتھر آتا ہوا دیکھتے اس طرف خود کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ کو بچاتے اور پتھر کو اپنے سر پر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سر زخمی ہو گیا۔ بالآخر رحمتِ عالم ﷺ ایک ماہ بعد طائف سے اس طرح واپس ہوئے کہ آپ کے ٹخنے شریف لہولہان تھے مگر زبان پر حرف بددعا اس وقت بھی نہ آتا تھا

اسراء اور معراج

نبوت کا پانچواں سال اسلام کی تاریخ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے جس میں فخر الانبیاء ﷺ کو ایک اعزازی جلوس کے ساتھ نوازا گیا جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں سے بھی صرف آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک رات آپ ﷺ حطیمِ کعبہ [1] میں لیٹے ہوئے تھے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام آئے اور کہا کہ ہمارے ساتھ چلیے۔

آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ جس جگہ اس کی نظر پڑتی تھی وہیں قدم پڑتا تھا۔ اس سرعت رفتاری کے ساتھ اول آپ ﷺ کو ملک شام میں مسجد اقصیٰ تک لے گئے، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کو آنحضرت ﷺ کے اکرام کے لیے (بطور معجزہ) جمع فرمایا تھا۔

جبرئیل علیہ السلام نے یہاں پہنچ کر اذان دی۔ انبیاء و رسل کی صفیں تیار ہو کر کھڑی

---

[1] اس میں یہ اختلاف ہے کہ یہ آسمانی سیر بھی براق پر ہوئی یا کسی سیڑھی وغیرہ پر۔ حافظ نجم الدین غیطی نے قصۃ المعراج میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ صفحہ ۱۱۳۔

ہوئیں لیکن سب اس کا انتظار کر رہے تھے کہ نماز کون پڑھائے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ کر آگے کر دیا۔ آپ ﷺ نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ کو نماز پڑھائی۔

یہاں تک عالم دنیا کی سیر تھی جو براق پر ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو مسجد اقصیٰ سے آسمان پر لے جایا گیا۔ بعض روایات کے مطابق یہ آسمانی سفر بھی براق پر ہوا مگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر براق پر نہیں ہوا بلکہ بذریعہ معراج ہوا۔ معراج کے معنی سیڑھی یا زینہ کے ہیں۔ زینہ کی آج کل بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں ایک طریقہ لفٹ کا بھی ہے۔ اس کو بھی زینہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ کس قسم کا زینہ تھا جس پر نبی کریم ﷺ آسمان تک پہنچے، اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ کسی روایت میں منقول نہیں۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے پر حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، پانچویں پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔

(صحیح بخاری مع فتح الباری ہندی، صفحہ ۴۰۵ پارہ ۱۵)

اس کے بعد آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ راستہ میں حوض کوثر پر گزر ہوا پھر جنت میں داخل ہوئے وہاں دست قدرت کے وہ عجائب و غرائب دیکھے جو نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھے اور نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی انسان کے وہم و گمان کی وہاں تک رسائی ہوئی۔ پھر دوزخ آپ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی جو ہر قسم کے عذاب اور شدید آگ سے بھری ہوئی تھی جس کے سامنے لوہے اور پتھر جیسی سخت چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

اس میں آپ ﷺ نے ایک جماعت کو دیکھا کہ مُردار جانور کھا رہے ہیں۔

دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے (یعنی ان کی غیبت کرتے تھے) پھر دوزخ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور جبرئیل امین علیہ السلام وہیں ٹھہر گئے کیونکہ ان کو اس درجہ سے آگے بڑھنے کا حکم نہیں تھا۔ اور اس وقت آپ ﷺ کو خداوند جلّ وعلا کی زیارت ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ زیارت فقط قلب سے نہیں بلکہ آنکھوں سے ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام محققین صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ کی یہی تحقیق ہے۔

آنحضرت ﷺ سجدہ میں گر پڑے اور خداوند عالم سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی وقت نمازیں فرض کی گئیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ واپس ہوئے۔ وہاں سے براق پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ کی طرف تشریف لے گئے۔

راستے میں مختلف مقامات میں قریش کے تین تجارتی قافلوں پر گزرے جن میں سے بعض کو آپ ﷺ نے سلام کیا اور انہوں نے آپ کی آواز پہچانی اور مکہ واپس ہونے کے بعد اس کی شہادت دی۔ صبح سے پہلے ہی یہ سفر مبارک تمام ہو گیا۔

اسراء نبوی ﷺ پر عینی شہادتیں

جب صبح ہوئی اور یہ خبر قریش میں پھیلی تو ان کا ایک عجیب عالم تھا۔ کوئی تالیاں بجاتا تھا اور تعجب سے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اور کوئی تمسخر سے ہنس رہا تھا۔

پھر سب نے بغرض امتحان آپ ﷺ سے سوالات شروع کیے اور دریافت کیا کہ اچھا بتلایئے کہ بیت المقدس کی تعمیر اور ہیئت کیسی ہے اور پہاڑ سے کتنے فاصلے پر ہے؟ آپ ﷺ نے اس کا پورا نقشہ بتلایا۔ اسی طرح وہ مختلف چیزیں دریافت کرتے رہے اور آپ ﷺ بتاتے رہے۔ یہاں تک کہ اب انہوں نے ایسے سوالات شروع کر دیے جو باوجود کئی مرتبہ دیکھ لینے کے بعد بھی کوئی شخص نہ بتلا

سکے۔مثلاً یہ کہ مسجد کے کتنے دروازے ہیں، کتنے طاق ہیں وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں کون شمار کرتا ہے۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اضطراب ہوا مگر بطورِ معجزہ مسجد اقصیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کردی گئی۔آپ شمار کرتے جاتے اور بتاتے جاتے تھے۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اشھد انك رسول اللہ اور قریش بھی اب تو سب کے سب چپ ہو گئے اور کہنے لگے حالات وصفات تو بالکل درست بیان کیے ہیں اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے کہنے لگے کہ کیا تم تصدیق کرتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچ بھی گئے اور لوٹ بھی آئے؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے بھی زیادہ بعید چیزوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا ہوں۔میں ایمان لاتا ہوں کہ صبح وشام ذرا سی دیر میں آپ کو آسمانی خبریں پہنچ جاتی ہیں تو پھر اس میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔اس لیے بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نام صدیق رکھا گیا ہے۔

خود کفارِ قریش کی چشم دید شہادتیں

اس کے بعد قریش نے پھر بغرض امتحان دریافت کیا اچھا بتلاؤ ہمارا قافلہ جو ملک شام کی طرف گیا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فلاں قبیلہ کے ایک تجارتی قافلے پر مقام روحا میں میرا گزر ہوا تھا، ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا۔وہ سب اسی کی تلاش میں گئے ہوئے تھے، میں ان کے کجاووں کے پاس گیا تو وہاں کوئی نہ تھا اور ایک کوزہ میں پانی رکھا ہوا تھا وہ میں نے پی لیا تھا۔

اس کے بعد فلاں قبیلہ کے تجارتی قافلے پر فلاں مقام میں ہمارا گزر ہوا۔جب براق اس کے قریب ہوا تو اونٹ دہشت سے ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ان میں سے ایک سرخ اونٹ تھا جس میں دو خروار (گون) سیاہ وسپید تھے وہ تو بے ہوش ہو کر گر گیا

اس کے بعد فلاں قبیلہ کے تجارتی قافلے پر فلاں مقام میں ہمارا گزر ہوا جس میں سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ تھا اور اس پر سیاہ ٹاٹ اور دو سیاہ خروار (گون) تھے اور یہ قافلہ عنقریب تمہارے پاس آنے والا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ کب تک؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدھ کے روز تک آجائے گا۔

چنانچہ ٹھیک اسی طرح ہوا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اور ان قافلوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیانات کی تصدیق کی۔ جب قریش پر خدا کی حجت تمام ہوگئی اور اس محیر العقول سفر کی خود ان کی قوم نے شہادت دی تو اب معاندین کے لیے بھی اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سفر کو سحر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) جادوگر کہہ کر کھڑے ہوگئے۔

مدینہ طیبہ میں اسلام

دس سال تک برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبائل عرب کو اعلان کے ساتھ دعوت اسلام دیتے رہے اور عرب کی کوئی مجلس اور کوئی مجمع نہیں چھوڑا جس میں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تبلیغ حق نہ کی ہو۔ موسم حج میں بازار عکاظ اور ذوالمجاز وغیرہ میں گھر گھر جا کر لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے مگر وہ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچاتے اور مذاق اڑاتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کو مسلمان بنایئے پھر ہماری ہدایت کے لیے آیئے۔ اسی پر ایک مدت گزری جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کی اشاعت اور ترقی ہو تو قبیلہ اوس کے چند آدمی مدینہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیے جن میں سے اس سال دو شخص اسد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر آئندہ سال ان میں سے کچھ اور آئے جن میں سے چھ یا آٹھ آدمی مسلمان ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم پیغام خداوندی کی تبلیغ میں میری مدد کروگے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!

ابھی ہمارے آپس کی اوس اور خزرج کی خانہ جنگیاں ہو رہی ہیں۔ اگر اس وقت جناب مدینہ تشریف لائیں تو آپ کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہو سکے گا۔ ابھی ایک سال کا ارادہ ملتوی فرمادیں۔ ممکن ہے کہ ہماری آپس میں صلح ہو جائے اور پھر اوس و خزرج مل کر اسلام قبول کر لیں۔ آئندہ سال ہم پھر حاضر خدمت ہوں گے۔

اس وقت [1] اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔ یہ حضرات واپس مدینہ آئے اور مدینہ میں سب سے پہلے مسجد بنی زریق میں قرآن پڑھا گیا۔

خداوند عالم کو منظور تھا کہ مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہو، اس سال بھر کے عرصے میں اوس و خزرج کے اکثر جھگڑے نمٹ گئے اور سال آئندہ حج کے موقع پر حسبِ وعدہ بارہ آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس میں دس قبیلہ خزرج کے اور دو اوس کے تھے، ان میں جو لوگ سال گزشتہ مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اب مسلمان ہو گئے اور سب کے سب آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ یہ بیعت چونکہ سب سے پہلے عقبہ [2] کے پاس ہوئی تھی اس لیے اس کا نام بیعتِ عقبۂ اولیٰ رکھا گیا۔ (سیرت حلبیہ، صفحہ ۲۲، ج ۱)

یہ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے تو مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا تھا اور ہر مجلس میں یہی ایک بات رہ گئی۔

---

[1] اس وقت مدینہ کی آبادی دو قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ مشرکین اور اہل کتاب دو بڑے قبیلوں پر منقسم تھے۔ اوس اور خزرج۔ یہ دونوں ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور تقریباً ایک سو بیس سال سے ان کے درمیان آپس میں جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ (سیرۃ طیبہ، صفحہ ۴۰ جلد ۱) اسی طرح یہود بھی دو صفوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر، یہ دونوں بھی آپس میں قدیم عداوتیں رکھتے تھے۔ (بیضاوی مع حاشیہ۔ ۱۲ منہ)

[2] یعنی جمرۂ عقبہ جو منیٰ کے ابتدائی حصے میں واقع ہے اور حج کرنے والے اس پر کنکریاں مارتے ہیں، بعد میں اس جگہ ایک مسجد بھی تعمیر کر دی گئی تھی جو مسجد بیعت کے نام سے موسوم ہے۔

سب سے پہلا مدرسہ مدینہ طیبہ میں

مدینہ پہنچ کر اوس و خزرج کے ذمہ دار لوگوں نے آنحضرت کو خط لکھا کہ یہاں الحمد للہ اسلام کی اشاعت ہو چکی ہے اب کسی صاحب کو ہمارے یہاں بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن شریف پڑھائے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت اور ہمیں احکام شرعیہ کی تعلیم دے اور نماز میں ہمارے لیے امام بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو تعلیم قرآن کے لیے بھیجا اور اسلام میں سب سے پہلے مدرسہ کی بنیاد مدینہ میں پڑ گئی۔ (سیرت طیبہ، صفحہ ۴۰۳، جلد ۱)

آئندہ سال حج کے ایام میں مدینہ طیبہ سے ایک بڑا قافلہ مکہ معظمہ پہنچا جن میں ستر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا استقبال کیا اور ان سے عقبہ کے پاس رات کو ملنے کا وعدہ فرمایا۔ حسب وعدہ نصف رات کے وقت سب لوگ جمع ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ اگرچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ یہ میرا بھتیجا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیشہ اپنی قوم میں عزت و حفاظت کے ساتھ رہا ہے تم جو اس کو مدینہ لے جانا چاہتے ہو تو دیکھ لو! اگر تم ان کے عہد کو پورا کر سکو اور مخالفین سے ان کی پوری طرح حفاظت کر سکو تو اس کا ذمہ لو ورنہ ان کو اپنے قبیلے میں رہنے دو

مدنی قبیلے کے سردار نے کہا: بے شک ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں اور ہمارا یہی قصد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کو پورا کریں۔ یہ سن کر (عہد بیعت کو پختہ کرنے کے لیے) حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

اے اہل مدینہ! ذرا ٹھہرو! تم سمجھتے ہو کہ آج تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟

سمجھ لو کہ یہ بیعت تمام عرب وعجم کے مقابلے اور مخالفت کا عہد ہے۔ اگر تم اس کو نباہ سکتے ہو تو عہد کرو ورنہ عذر کر دو۔ اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کسی حال میں اس بیعت سے ہٹنے والے نہیں۔

پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم نے اس عہد کو پورا کیا تو ہمیں اس کی کیا جزا ملے گی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور جنت۔ یہ سن کر سب نے کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ آپ دست مبارک دیجیے کہ ہم بیعت کریں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہاتھ بڑھایا اور سب بیعت سے مشرف ہوئے۔

خدا جانے اس رسولِ امین کی نظرِ فیض اثر اور چند کلمات نے ان لوگوں پر کیا اثر کیا تھا کہ ایک ہی صحبت میں تمام دنیوی علائق اور جاہ و مال اور عزت و آبرو اس کے مقابلے پر قربان کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور پھر یہ رنگ ان کی اولاد تک قائم رہا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا جو شریک بیعت تھیں، ان کے صاحبزادے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان کو مسیلمہ کذاب مدعی نبوت نے گرفتار کر لیا اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھ کر بے دردی سے قتل کیا لیکن اس عہد کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلا۔ یہ ظالم ان سے دریافت کیا کرتا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ تو وہ فرماتے: بے شک۔ پھر پوچھتا کہ اس کی بھی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ تو فرماتے: ہرگز نہیں۔ اس پر وہ ان کا ایک ایک عضو کاٹ لیتا تھا۔ پھر دوبارہ اسی طرح دریافت کرتا اور جب وہ اس کی نبوت ماننے سے انکار کرتے تو کم بخت ایک اور عضو کاٹ ڈالتا۔ اسی طرح ایک ایک عضو کر کے تمام بدن کے ٹکڑے کر دیے۔ (سیرت حلبیہ، صفحہ ۴۰۹)

الغرض! شہید ہو گئے اور باوجود جائز ہونے کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عہد اسلام کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالیں۔

اگرچہ خرمنِ عمرم غم تو داد بیاد [1]

بخاک پائے عزیزت کہ عہد نشکستم

اس کے بعد سب نے بیعت کی۔ اس وقت بیعت کرنے والوں کی تعداد تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔ اس کے بعد سب نے ان میں سے بارہ آدمیوں کو تمام قافلے کے ذمہ دار امیر بنایا۔ (حلبیہ، ص ۱۱۔ ۴)

ہجرتِ مدینہ کی ابتدا

قریش کو جب اس بیعت کی خبر ہوئی تو ان کے غیظ کی انتہا نہ رہی اور مسلمانوں کو ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، اس وقت آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا مشورہ دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آہستہ آہستہ قریش سے خفیہ ایک ایک دو دو کرکے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کردیا یہاں تک مکہ میں آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تھوڑے سی غیر مستطیع لوگوں کے علاوہ کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا تھا مگر آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ابھی ٹھہرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کے بعد انتظار میں رہے اور دو اونٹنیاں اس سفر کے لیے مہیا کیں۔ ایک اپنے لیے اور دوسری آنحضرت ﷺ کے لیے۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۳۱)

نبی کریم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ

کفار قریش کو جب حالات معلوم ہوئے تو دارالندوہ میں مشورہ کے لیے جمع ہوئے کہ اب آپ ﷺ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ کسی نے قید کرنے کی

---

[1] ترجمہ: تیرے غم نے اگرچہ میرے خرمن عمر کو برباد کردیا لیکن تیرے قدم شریف کی قسم کہ میں نے تیرا عہد نہیں توڑا۔ ۱۲ منہ

رائے دی اور کسی نے جلاوطن کرنے کی مگر ان کے چالاک لوگوں نے کہا کہ یہ مناسب نہیں کیونکہ قید کرنے کی صورت میں ان کے اعوان وانصار ہم پر چڑھ آئیں گے اور ہم سے چھڑا لیں گے اور جلاوطن کرنے کی صورت تو سراسر ہمارے لیے مضر ہے کیونکہ اس صورت میں اطراف مکہ کے تمام عرب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ اخلاق اور شیریں کلام اور کلام پاک کے گرویدہ ہو جائیں گے اور وہ ان سب کو لے کر ہم پر چڑھائیں کریں گے۔ (سیرت مغلطائی)

اس لیے بدبخت ابوجہل نے یہ رائے دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا جائے اور قتل میں ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی شامل ہوتا کہ بنی عبد مناف (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہ) بدلہ لینے سے عاجز ہو جائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور ہر قبیلے کا ایک ایک جوان اس کام کے لیے مقرر کر دیا کہ فلاں رات میں یہ کام کیا جائے۔

ادھر خداوندِ عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے مشورہ کی اطلاع دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ جس رات میں کفار قریش نے اپنے خیال خام کو پورا کرنے کا ارادہ کیا اور مختلف قبائل کے بہت سے جوان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کر کے بیٹھ گئے تو آپ نے اس وقت ہجرت کا ارادہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی پر آپ کی چادر اوڑھ کر سو جائیں تاکہ کفار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھر سے غیر حاضری کا علم نہ ہو۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو دروازے پر قریش کا ایک میلہ لگا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ یٰسٓ شریف پڑھتے ہوئے باہر نکلے اور جب آیت **فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ** پر پہنچے تو اس کو کئی مرتبہ دہرایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ

سکے اور آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے وہ پہلے ہی سے تیار تھے اور ایک راستہ بتانے والے کو بھی اپنے ساتھ لے چلنے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو لیے اور مکان کی پشت کی جانب سے ایک کھڑکی کے راستے سے دونوں باہر نکلے اور ثور کی طرف تشریف لے گئے۔

(ثور: مکہ کے قریب ایک پہاڑ ہے)

غارِ ثور کا قیام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پہاڑ کے غار میں جا کر ٹھہر گئے ادھر یہ قریشی جوان صبح تک آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے ہوئے اور بالآخر یہ معلوم ہوا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں تو سخت پریشان ہوئے اور چاروں طرف اپنے قاصد آپ کی تلاش میں بھیجے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرفتار کرنے پر سو اونٹ کا انعام مقرر کیا۔ بہت سے آدمی آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بعض قیافہ شناس لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشان قدم تلاش کرتے ہوئے ٹھیک اس غار کے کنارے پر پہنچ بھی گئے کہ اگر ذرا جھک کر دیکھتے تو صاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے تھے۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غمگین ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں! اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ خدا کی قدرت کہ ان سب کی نظریں اس غار سے پھیر دی گئیں اور کسی نے جھک کر نہ دیکھا بلکہ ان کے سب سے بڑے چالاک امیہ بن خلف نے کہا کہ یہاں ان کا ہونا ہی محال ہے کیونکہ بحکم خداوندی اس غار کے دروازے پر رات رات میں مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور جنگل کے کبوتر نے گھونسلا بنا دیا تھا۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس غار میں تین رات

---

[1] حضرت سہیل فرماتے ہیں کہ حرم کے کبوتروں کی نسل اسی کبوتر سے چلی ہے (سیرت مغلطائی)

متواتر چھپے رہے۔ یہاں تک کہ تلاش کرنے والے مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

ان تینوں دنوں میں برابر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہؓ رات کو خفیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تھے اور صبح سے پہلے ہی مکہ پہنچ جاتے تھے۔ دن بھر کی خبریں سن کر راتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کرتے تھے اور ان کی بہن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا ہر رات میں کھانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچاتی تھی چونکہ عرب کے لوگ نشان قدم کو بہت پہچانتے تھے۔ اس لیے عبداللہ نے اپنے غلام سے کہہ رکھا تھا کہ روزانہ بکریاں چرانے کے لیے اس غار تک لے جایا کرے تاکہ ان کے نشانات قدم مٹ جائیں۔

غارِ ثور سے مدینہ کی طرف روانگی

غار ثور کے قیام کے تیسرے دن ربیع الاول ایک ہجری[1] بروز پیر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچے جو اسی سفر کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہیا کی تھیں اور ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط بھی پہنچے جن کو راستہ بتلانے کے لیے اجرت دے کر ساتھ لے لیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ناقہ (اونٹنی) پر سوار ہو گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسری پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی خدمت کے لیے بٹھا لیا اور عبداللہ بن اریقط آگے آگے راستہ دکھانے کے لیے چلے۔

سُراقہ بن مالک کا راستہ میں پہنچنا اور اس کے گھوڑے کا زمین میں دھنسنا

آگے بڑھے تو قریش کے قاصدوں میں سے سراقہ بن مالک جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں پھر رہا تھا یہاں تک پہنچ گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آیا تو اس

---

[1] جو آپ کی ولادت سے ۵۳ھ اور بعثت سے ۱۳ھ ہوتا ہے۔

کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ گر پڑا مگر پھر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا یہاں تک کہ آپ کی تلاوت قرآن کی آواز سنی، اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بار بار مڑ کر اس کو دیکھتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف التفات ہی نہ کیا، جب زیادہ قریب آ گیا تو اس کے گھوڑے کے چاروں پاؤں زمین کے خشک اور سخت ہونے کے باوجود گھٹنوں تک اندر اتر گئے اور سراقہ دوبارہ زمین پر گر پڑا۔

اب ہر چند گھوڑے کو نکالتا ہے مگر وہ نہیں نکلتا۔ مجبور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تو آپ ٹھہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے گھوڑا وہاں سے نکل آیا۔
(سیرت مغلطائی)

جب گھوڑے کے پاؤں زمین سے نکلے تو پاؤں کی جگہ سے ایک دُھواں اُٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کو دیکھ کر سُراقہ اور بھی زیادہ ششدر رہ گیا اور نہایت عاجزی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توشہ اور موجودہ سامان اونٹ وغیرہ پیش کرنے لگا۔ آپ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ جب تم اسلام قبول نہیں کرتے تو ہم بھی تمہارے اونٹ وغیرہ قبول نہیں کرتے۔ بس اتنا کافی ہے کہ تم ہمارے حال کو کسی پر بیان نہ کرو۔ سراقہ ادھر سے واپس ہوا اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق خطرہ ہوسکتا تھا اس وقت تک کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ (حلبیہ صفحہ ۴۳۶، جلد ۱۰)

سراقہ کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتراف

کچھ دنوں کے بعد سراقہ نے ابوجہل [۱] سے اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد چند اشعار [۲] پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

---

[۱] ابوجہل کی کنیت عرب میں ابوحکم تھی مگر اسلام سے منحرف ہونے سے اس کو ابوجہل کا خطاب دیا، اس مضمون کو کسی نے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے: الناس کنوہ ابا حکم واللہ کناہ ابا جھل

[۲] اصل اشعار یہ نہیں

اے ابو حکم (ابو جہل) لات کی قسم (لات ایک بت کا نام ہے جس کی قریش پوجا کرتے تھے) اگر تم اس گھوڑے کے زمین میں دھنس جانے کا مشاہدہ کرتے تو تمہیں اس بات میں شک کی گنجائش نہ رہتی کہ محمد (ﷺ) خدا کے رسول ہیں۔ میری رائے میں تمہیں لازم ہے کہ ان کی مخالفت سے خود بھی اجتناب کرو اور لوگوں کو بھی منع کرو، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کامیابی کے نشانات اس طرح چمک جائیں گے کہ تمام انسان اس کی تمنا کریں گے کہ کاش ہم ان سے صلح کر لیتے۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۳۵)

ابا حکم واللات لو کنت شاھدا — لامر جواد اذ تسرخ قوائمه [1]
عجبت ولم تشکك بان محمدا — نبی وبرھان فمن ذا یقاومه
علیك بکف الناس عنه فاننی — لذی امره یوما ستبدو معالمه
بامر یود الناس فیه باسرھم — لو بان جمیع الناس طرا یسالمه

رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ام معبد اور ان کے خاوند کا اسلام

راستہ میں ایک عورت (ام معبد بنت خالد) کے مکان پر گزر ہوا اور ان کی بکری جو بالکل دودھ نہ دیتی تھی، آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیر دیا تھا تو وہ دودھ سے بھر گئے جس کو آپ ﷺ نے بھی پیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا اور یہ برکت اسی طرح برابر جاری رہی۔ جب آپ ﷺ یہاں سے رخصت ہوئے تو ام معبد کا خاوند آیا اور بکری کے دودھ کے متعلق یہ عجیب واقعہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سبب پوچھا تو ام معبد نے کہا کہ ایک نہایت شریف و کریم جوان آج ہمارے یہاں تھوڑی دیر کے لیے مہمان ہوئے تھے۔ یہ سب ان کے ہاتھ کی برکت ہے، خاوند یہ

---

[1] یہ اشعار سیرت مغلطائی کے نسخہ میں غلط تھے ان کی تصحیح روض الانف صفحہ ۶ جلد ۲ سے کی گئی ہے۔

سن کر کہنے لگے: بخدا! یہ تو وہی مکہ والے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان دونوں نے بھی ہجرت کی اور مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

نزولِ قبا

یہاں سے روانہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا پہنچے (یہ مدینہ کے قریب ایک مقام ہے)، انصار کو جب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے آنے کی خبر پہنچی تھی روزانہ استقبال کے لیے بستی سے باہر آتے تھے اس روز بھی حسب دستور انتظار کر کے واپس ہو گئے تھے کہ یکایک آواز سنی گئی کہ جن کا انتظار تھا وہ تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر سب نے جوشِ مسرت سے استقبال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء نے چودہ روز قبا میں قیام فرمایا[1]، اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کی ہجرت اور قبا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت داری چونکہ کفار کو بھی مسلّم تھی، اس لیے آپ کے پاس اکثر لوگوں کی امانتیں رہتی تھیں بوقتِ ہجرت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ نے اس لیے پیچھے چھوڑا تھا کہ جو امانتیں لوگوں کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں وہ ان کے سپرد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہ بھی مدینہ پہنچ جائیں۔

اسلامی تاریخ کی ابتدا

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اسلامی تاریخ کی ابتدا حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ

---

[1] قیام قبا کے متعلق اقوال تین دن، چار یا پانچ دن اور بعض روایات میں بائیس دن مذکور ہیں۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۳۶)

نے کی اور اس کا پہلا مہینہ محرم کو قرار دیا۔[1]

مدینہ طیبہ میں داخل ہونا

ماہ ربیع الاول بروز جمعہ قبا سے رخصت ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف روانگی ہوئی۔

انصار مدینہ جوش مسرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے اردگرد چل رہے تھے۔ کوئی پیدل، کوئی سوار ہر شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناقہ [اونٹنی] کی باگ تھامنے میں پیش قدمی کرنا چاہتا تھا۔ ہر شخص کی دلی تمنا تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے یہاں مقیم ہوں۔ عورتیں، بچے خوشی کے ترانے پڑھ رہے تھے، یہ چونکہ جمعہ کا دن تھا، بنی سالم بن عوف کے مکانات کے قریب جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے اترے اور جمعہ ادا کرنے کے بعد پھر سوار ہوئے۔ اب جس انصاری کا مکان راستہ میں پڑتا ہے وہ التجا کرتا ہے کہ میرے غریب خانہ پر قیام فرمائیے۔

مگر آپ نے فرمایا کہ تم اونٹنی کو اپنے حال پر چھوڑ دو، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے جس جگہ اس کو ٹھہرنے کا حکم ہے وہاں جا کر خود ٹھہر جائے گی۔ چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح چلتی رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ننھیال بنی عدی بن نجار کے مکانات آ گئے تو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جا کر اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان پر مہمان ہوئے اور ایک مدت تک انہیں کے مکان پر مقیم رہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

اس وقت مدینہ میں کوئی مسجد موجود نہیں تھی، جس جگہ موقعہ ملتا نماز ادا کی جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ جگہ خریدی گئی جس جگہ ناقہ بیٹھی تھی اس جگہ مسجد نبوی کی تعمیر کی

---

[1] شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ الشماریخ فی علم التاریخ میں اس کی تائید کی ہے۔ ۱۲ منہ

گئی جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی [1]، ستون کھجور کے درخت کی لکڑی اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی اور قبلہ کا رخ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا جو اس وقت مسلمانوں کا قبلہ تھا۔

مسجد کے ساتھ دو حجرے بھی بنائے گئے۔ ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو مکہ بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل و عترت کو مدینہ طیبہ لے آئے اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی سب اہل و عیال کو مدینہ بلوا لیا۔ چنانچہ ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا اور دو صاحبزادیاں فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما مدینہ آ گئیں۔ تیسری صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند ابو العاص نے (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) نہ آنے دیا اور ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اپنی مادر اور دونوں بہنوں عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔

اور اب مکہ میں صرف چند مسلمان رہ گئے جن کو سفر کی طاقت نہ تھی بلکہ بعض ایسے لوگ بھی وہاں سے چل نکلے کہ راستہ ہی میں ان کی وفات ہوگئی۔

---

[1] پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس میں اور جگہ بڑھائی مگر تعمیر اسی وضع کی باقی رکھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس میں بہت بڑا اضافہ اور تعمیر کیا۔ جگہ بھی بہت بڑھا دی اور دیواریں منقش پتھروں اور چاندی کے نقش و نگار سے آراستہ اور ستون منقش پتھروں اور چھت سال کی لکڑی کی بنائی۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں اس کے حکم سے مسجد میں اور توسیع کی اور ازواج مطہرات کے حجرات بھی اس میں شامل کر دیے۔ اس کے بعد ۱۶۰ ہجری میں خلیفہ مہدی نے اور اس کے بعد ۲۰۳ھ میں مامون نے اس میں توسیع و تغیرات کیے اور اس کی بنیاد کو خوب مضبوط کر دیا۔ (سیرت مغلطائی ۳۷) اس کے بعد سلاطین آل عثمان نے نہایت عمدہ تعمیر کی جو اب تک موجود ہے اور اب موجودہ شاہ سعود اور شاہ فیصل نے توسیع کی ہے۔

۱ھ مشروعیت جہاد

سریہ حمزہ اور سریہ عبیدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترپین سالہ زندگی کا اجمالی نقشہ ناظرین کے سامنے آچکا ہے۔ کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی اور وہ ہر طبقہ اور ہر قبیلہ کے ہزار ہا انسان جو ہجرت تک اسلام کے حلقہ بگوش بن کر کچھ ایسے مست ہوئے تھے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو اپنے مال، آباؤ اجداد، بیویوں اور بچوں سے بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے، ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب کیا تھا۔ حکومت کا جبر و اکراہ تھا یا کوئی لالچ اور جاہ کی طمع تھی یا کوئی پرشوکت جمعیت تھی جس پر تلوار نے ان کو مجبور کیا تھا یا کچھ اور؟

لیکن جب اس نبی امّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ان پر میرے ماں باپ فدا ہوں) کے حالات طیبات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بلا وہم اختلاف ان سب کا جواب نفی میں ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ یتیم جس کے والد کا سایہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کے سر سے اٹھ گیا ہو، جس کے گھر میں مہینوں آگ جلنے کی بھی نوبت نہ آتی ہو، جس کے گھر والوں نے کبھی پیٹ بھر روٹی نہ کھائی، جس کے رہے سہے عزیز و اقارب بھی ایک کلمہ حق کہنے کی وجہ سے نہ صرف یکسو، بلکہ سخت دشمن ہو گئے ہوں، وہ کیا کسی پر حکومت کر سکتا ہے یا مال کے لالچ سے یا تلوار کے زور سے کسی کو اپنا ہم خیال بنا سکتا ہے؟

اس کے علاوہ تاریخ کے دفتر سامنے ہیں۔ جن میں بلا اختلاف موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کے یہ ترپین سال اس طرح گزرے کہ ابتدائی بے سروسامانی و بے کسی کے بعد جب اسلام کو ایک ظاہری قوت بھی حاصل ہوئی اور بڑے بڑے شجاع و بہادر اور متموّل صحابہ رضی اللہ عنہم داخل اسلام بھی ہو گئے، اس وقت بھی اسلام نے

کسی کافر پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ ظالموں کے ظلم کا جواب تک نہیں دیا حالانکہ کفار مکہ کی جانب سے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقین آل واتباع پر بھی وہ مظالم ڈھائے گئے کہ بیان اور تحریر میں نہیں آسکتے۔

کفار قریش نے جو ہر قسم کی قوت وشوکت رکھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی بلکہ قتل کرنے میں کوئی امکان دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا جیسا کہ تین سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مع اپنے متعلقین کے محصور رہنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا مکمل مقاطعہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر قسم کی ایذائیں پہنچانا وغیرہ وغیرہ آپ معلوم کر چکے ہیں۔

یہ سب کچھ تھا مگر قرآن اپنے پیروؤں کو صبر و استقلال کے سوا کسی حربہ کے استعمال کی اجازت نہ دیتا تھا۔ وہاں اس وقت جس جہاد کا حکم تھا وہ یہ کہ کفار کو حکمت اور نصیحت کی باتوں سے اپنے رب کی جانب بلاؤ[1] اور اگر باہمی مکالمے کی نوبت آئے تو حسن تدبیر اور نرم کلام سے ان کا مقابلہ کریں اور قرآن[2] کے دلائل واضحہ سے ان کے ساتھ پورا جہاد کرو تاکہ وہ حق کو سمجھ لیں۔

اس وقت تک جو ہزارہا انسان اسلام کے حلقہ بگوش بن کر ہر قسم کے مصائب کا نشانہ بننے پر راضی ہوئے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی دنیوی طمع یا حکومت کے جبر یا تلوار کے ذریعہ سے مجبور نہیں ہو سکتے۔ اس کھلی ہوئی ہدایت کو دیکھتے ہوئے بھی کیا وہ لوگ خدا سے نہ شرمائیں گے جو اسلام کی حقانیت پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا، کیا وہ اس کا کوئی جواب دے سکتے ہیں کہ ان تلوار

---

[1] آیت: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کا یہی مضمون ہے۔ ۱۲

[2] آیت: وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا کا یہی مطلب ہے۔ ۱۲ منہ

چلانے والوں پر کس نے تلوار چلائی تھی جو نہ صرف مسلمان بنے بلکہ اسلام کی حمایت پر تلوار اٹھانے اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنے پر راضی ہو گئے۔

کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم پر کس نے تلوار چلا کر ان کو مسلمان بنایا تھا اور ابوذر وانیس رضی اللہ عنہما اور ان کے قبیلہ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کو کس نے مجبور کیا تھا اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلہ پر کس نے تلوار چلائی اور قبیلہ بنی عبدالاشہل کو کس نے دبایا تھا اور تمام انصار مدینہ پر کس نے زور دیا تھا جنہوں نے فقط اسلام قبول نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے یہاں بلا کر تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اپنے جان و مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کیے، بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو کس نے مجبور کیا کہ ستر آدمیوں کی جماعت لے کر مدینہ کے راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ نجاشی بادشاہ حبشہ پر کونسی تلوار چلی تھی کہ باوجود اپنی سلطنت و شوکت کے قبل از ہجرت مسلمان ہو گئے۔ ابو ہند اور تمیم اور نعیم وغیرہ وغیرہ پر کس نے زور دیا تھا کہ ملک شام کے سفر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں ور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کریں

اور اسی قسم کے صدہا واقعات جن سے کتب تاریخ بھری ہوئی ہیں۔[1]

یہ ناقابل انکار مشاہدات ہیں جن کو دیکھ کر ہر انسان یہ یقین رکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

---

[1] یہ سب واقعات مختصر رسالہ حمیدیہ سے لیے گئے ہیں۔

اسلام اپنی اشاعت میں تلوار کا محتاج نہیں

اور نہ فرضیت جہاد کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے گلے پر تلوار رکھ کر کہا جائے کہ مسلمان ہو جاؤ یا ان کو کسی جبر و اکراہ سے اسلام میں داخل کیا جائے، جہاد کے ساتھ ہی جزیہ[1] کے احکام اور کفار کو اہل ذمہ بنا کر ان کے جان و مال کی حفاظت بالکل مسلمانوں کی طرح کرنے کے متعلق اسلامی قواعد خود اس کی شہادت ہیں کہ اسلام نے کبھی کفار کو اسلام قبول کرنے پر بعد فرضیت جہاد مجبور نہیں کیا۔

اس لیے ایک منصف مزاج انسان کا فرض ہے کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرے کہ اسلام میں فرضیت جہاد کس غرض اور کن فوائد کے لیے ہوئی اور اسے اس وقت یہ یقین کرنا پڑے گا کہ جس طرح وہ مذہب کامل نہیں سمجھا جا سکتا جس نے لوگوں کا گلا گھونٹ کر بجبر و اکراہ ان کو اپنے سلسلے میں داخل کیا ہو اسی طرح

وہ مذہب مکمل نہیں جس میں سیاست نہ ہو ــــ وہ سیاست نہیں جس کے ساتھ تلوار نہ ہو

وہ ڈاکٹر اپنے فن کا ماہر نہیں ہو سکتا جو صرف مرہم لگانا جانتا ہے۔ مگر سڑے ہوئے فاسد شدہ اعضاء کا آپریشن کرنا نہیں جانتا۔

کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ
کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

سمجھو اور خوب سمجھو کہ جب عالم کے جسم میں شرک کے زہریلے جراثیم پیدا ہو گئے اور وہ ایک مریض جسم کی طرح ہو گیا تو رحمت خداوندی نے اس کے لیے ایک مصلح اور مشفق طبیب (آپ ﷺ) کو بھیجا جس نے ترپن سال تک متواتر

---

[1] وہ ٹیکس جو کفار سے اُن کی حفاظت کے بدلہ میں وصول کیا جاتا ہے۔ ۱۲، منہ

اس کے ہر عضو اور ہر رگ و ریشہ کی اصلاح کی فکر کی ۔جس سے قابلِ اصلاح اعضا تندرست ہو گئے مگر بعض اعضاء جو بالکل سڑ چکے تھے ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہ رہی بلکہ خطرہ ہو گیا کہ ان کی سمّیت تمام بدن میں سرایت کر جائے گی اس لیے حکیمانہ اصول کے موافق عین رحمت وحکمت کا اقتضاء یہی تھا کہ آپریشن کر کے ان اعضاء کو کاٹ دیا جائے ۔ یہی جہاد کی حقیقت ہے اور یہی تمام جارحانہ اور مدافعانہ غزوات کا مقصد ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ عین میدان کارزار گرم ہونے کے وقت بھی اسلام نے اپنے مقابل جماعت میں سے صرف انہی لوگوں کے قتل کی اجازت دی ہے جن کا مرض متعدی تھا یعنی جو اسلام کے مٹانے کے منصوبے گانٹھتے اور برسر جنگ آتے تھے اور ان کے متعلقین ،عورتیں ، بچے ، بوڑھے اور مذہبی علماء جو لڑائی میں حصہ نہیں لیتے وہ اس وقت بھی مسلمانوں کی تلواروں سے مامون تھے بلکہ وہ لوگ جو کسی دباؤ سے مجبور ہو کر مقابلے پر آئے ہوں وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے محفوظ تھے ۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ بنی ہاشم میں سے کوئی شخص تمہارے سامنے آئے تو اس کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی رضا سے جنگ میں شریک نہیں ہوئے بلکہ ان کو جبراً لایا گیا ہے ۔(از کنز صفحہ ۲۷۲ ج ۵)

بلکہ مقابلہ پر آنے والوں اور جنگ کرنے والوں میں سے بھی تابمقدور ان لوگوں کو بچایا جاتا تھا جن کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن اخلاق اور حسن معاشرت کی خبریں پہنچی تھیں ، ذیل کا واقعہ ہمارے اس دعوے کی پوری شہادت ہے ۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ارادہ جہاد کو بھی اس

نے عام جاہلیت عرب کی لڑائیوں پر قیاس کر کے عرض کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوبصورت عورتیں اور سرخ اونٹ چاہتے ہیں تو قبیلہ بنی مدلج پر چڑھائی کیجیے (کیونکہ ان میں اس کی کثرت ہے) لیکن یہاں صلح اور جنگ کا مقصد ہی کچھ اور تھا۔ ارشاد ہوا کہ مجھے حق تعالیٰ نے بنی مدلج پر چڑھائی کرنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ (احیاء العلوم)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سات جنگی قیدی پیش کیے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس پر مامور فرمایا۔ اسی وقت جبرئیل تشریف لائے اور کہا: یارسول اللہ! ان چھ شخصوں کے لیے تو یہی حکم رکھیے لیکن اس ایک شخص کو آزاد کردیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ کریم الاخلاق اور سخی آدمی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اپنی طرف سے کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ جبرئیل نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم فرمایا ہے۔

(کنز العمال، صفحہ ۱۳۵ بحوالہ ابن الجوزی)

اسلامی جہاد تہذیب کے مدعی یورپین اقوام عالم سوز جنگ نہ تھی جس میں محض اپنی ہوس رانی کے لیے بلا امتیاز مرد و عورت اور محرم و غیر محرم، شہر کے شہر، انتہائی بے رحمی کے ساتھ تباہ و برباد کردیے جاتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے:

ہو رہا ہے نفاذ حکم فنا — نہ مکیں اس سے بچتے ہیں نہ مکاں

توپیں خود آکے اب تو میدان میں — پڑھتی ہیں: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ [1]

لیکن حقیقت یہ ہے لوگ دوسرے کی آنکھ کا تنکا تک دیکھتے ہیں مگر اپنی آنکھ کا

---

[1] ترجمہ: زمین پر جو کچھ ہے فنا ہونے والا ہے۔ ۱۲ منہ

شہتیر بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ [۱] بقول اکبر۔

اپنے عیبوں کی نہ کچھ پرواہ ہے غلط الزام بس اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

الغرض! مدافعانہ اور جارحانہ جہاد کا مقصد صرف مکارم اخلاق کی اشاعت اور اسلام کا تحفظ و تبلیغ، اسلام کے راستے میں جو رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں ان کا ہٹانا تھا۔

ان تمام واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد جس طرح عام یورپی مؤرخین اور مارگولیس وغیرہ کا یہ خیال بالکل غلط اور افترا رہ جاتا ہے کہ اسلامی جہاد کا مقصد لوگوں کو جبراً مسلمان کرنا اور لوٹ مار کر کے اپنا معاش مہیا کرنا تھا اسی طرح اسلامی روایات اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کرنے کے بعد اس میں بھی شک نہیں رہتا کہ اسلام میں جس طرح بغرضِ تحفظ مدافعانہ جہاد کو فرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح

---

[۱] اگر یورپ کی خونی تاریخ کی صرف وہ اوراق سامنے رکھ لیے جائیں جو اندلس کے عروج و نزول سے متعلق ہیں تو اس کی تہذیب و تمدن کی قلعی کھل جائے کیونکہ خود یورپین مؤرخین کے بیان و اقرار کے موافق وہاں پر نظر آتا ہے کہ نویں صدی عیسوی سے سترہویں صدی عیسوی تک توپ و تفنگ قتل و غارت اور طرح طرح کے مصائب ڈال کر مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف مجبور کیا گیا۔ سینکڑوں بندگان خدا کو جلا کر خاک کر دیا گیا، سینکڑوں کو قید کر کے ان کے سامنے ان کے بچوں کو ذبح کیا گیا، لاکھوں مسلمان اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، غرناطہ کے میدان میں مسلمانوں کی اسی ہزار (۸۰۰۰۰) قلمی نادر و نایاب کتابوں کا بے نظیر ذخیرہ نذر آتش کر دیا گیا۔ سولہویں صدی میں ملک فیمپ نے اپنی قلمرو میں عربی زبان کا ایک جملہ بولنے کو جرم قرار دیا۔ مسلمانوں کے آثار کو ایک ایک کر کے مٹایا گیا، قرطبہ کی یکتائے روزگار بے نظیر جامع مسجد میں متعدد گرجے بنائے گئے، قصر حمراء و زہراء جو عالم میں بے نظیر اور بارہ ہزار برجوں پر مشتمل اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کی آوازوں سے گونجنے والے تھے ان میں صلیبیں قائم کی گئیں۔ گرجے بنائے گئے جو اب تک قائم ہیں (یہ سب بیان علامہ محمد کرد علی کا ہے جو ان کے رسالہ غابر الاندلس و حاضرھا میں مذکور ہے۔ جس میں انہوں نے اندلس کے عہد ماضی و حال کا موازنہ کیا ہے۔ ۱۲ منہ محمد شفیع عفا عنہ اضافہ در طبع پنجم)

حفظِ ماتقدم اور موانعِ تبلیغ کو راستے سے ہٹانے کے لیے جارحانہ جہاد[1] بھی قیامت تک کے لیے ضروری کیا گیا ہے اور جس طرح مدافعانہ جہاد کی غرض لوگوں کو بجبر مسلمان بنانا نہیں ہے اسی طرح جارحانہ جہاد کا مقصد بھی کسی طرح یہ نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جب کہ اسلام کا وسیع دامن عین وقتِ جہاد میں بھی کفار کو اپنی پناہ میں لینے اور کفر پر قائم رہتے ہوئے ان کی جان و مال، عزت و آبرو کی اسی طرح حفاظت کے لیے پھیلا ہوا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کی حفاظت کی جاتی ہے، جس میں مدافعانہ انداز اور جارحانہ جہاد دونوں برابر ہیں۔ نیز دنیا میں حقیقی امن و امان قائم کرنا، ضعیفوں کو ظلم سے چھڑانا وغیرہ جو جہاد کے مقاصد ہیں ان میں بھی دونوں قسمیں یکساں ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسلامی روایات کو مسخ کر کے جارحانہ جہاد کا انکار کیا جائے جیسا کہ ہمارے بعض آزاد خیال مؤرخین نے کہا ہے

اس مختصر گزارش کے بعد ہم اپنے اصلی مقاصد کو شروع کرتے ہیں۔

ہجرت کے بعد جہاد غزوات کا جو سلسلہ شروع ہوا جن میں سے بعض میں خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے اور بعض میں خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں لشکر روانہ ہوئے، مؤرخین کی اصطلاح میں پہلی قسم کے جہاد کو غزوہ اور دوسری قسم کو سریہ کہتے ہیں۔ غزوات کی مجموعی تعداد تئیس ہے جن میں سے نو میں جنگ کی نوبت آئی، باقی میں نہیں اور سرایا تینتالیس ہیں اور یہ عجب ہے کہ ان تمام غزوات اور سرایا میں باوجود مسلمانوں کی بے سروسامانی اور قلت تعداد کے ہمیشہ فتح و نصرت ان ہی کا حصہ ہوتا تھا۔ البتہ صرف غزوۂ احد میں اول فتح پانے کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ بھی اس لیے کہ لشکر کے ایک ٹکڑے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کے خلاف

---

[1] اس حدیث کا یہی مطلب ہے۔

کیا تھا۔ ہم ان تمام غزوات و سرایا کو بغرض توضیح ایک نقشہ کی صورت میں سنہ وار درج کرتے ہیں اور چونکہ غزوات اور سرایا کی تاریخ اور تعداد میں اختلاف ہے اس لیے ہم نے اس تمام بیان میں حافظ حدیث علامہ مغلطائی کی سیرت پر اعتماد کیا ہے۔

غزوات و سرایا

۱ھ سنہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سریے روانہ فرمائے: اول سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسرا سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہ۔

۲ھ سنہ میں پانچ غزوات ہوئے: غزوۂ ابوا جس کو غزوہ ودّان بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ بدر، غزوۂ بدر کبریٰ، غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ سویق اور تین سریے اور روانہ ہوئے۔ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سریہ عمیر رضی اللہ عنہ، سریہ سالم رضی اللہ عنہ۔ اس سال کے غزوات میں سب سے زیادہ اہم غزوۂ بدر ہے۔

۳ھ سنہ میں تین غزوات ہوئے: غزوۂ غطفان، غزوۂ احد، غزوۂ حمرآء الاسد اور دو سریے روانہ ہوئے۔ سریہ محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس سال کے غزوات میں غزوۂ احد زیادہ اہم ہے۔

۴ھ سنہ میں دو غزوات ہوئے: غزوۂ بنی النضیر، غزوۂ بدر صغریٰ اور چار سریے بھیجے گئے: سریہ ابو سلمہؓ، سریہ عبداللہ بن انیسؓ، سریہ منذرؓ سریہ مرثدؓ

۵ھ سنہ میں چار غزوات ہوئے۔ جن میں خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے۔ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ مریسیع، جس کو غزوۂ بنی المصطلق بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۂ خندق زیادہ مشہور ہے۔

۶ھ سنہ میں تین غزوات ہیں: غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ غابہ جس کو ذی قرد بھی کہا جاتا ہے غزوۂ حدیبیہ اور گیارہ سرایا روانہ کیے گئے۔ سریہ محمد بن مسلمہ بجانب قرطا،

سریہ عکاشہ، سریہ محمد بن مسلمہ بجانب ذی القصد، سریہ زید بن حارثہ بجانب بنی سلیم و سریہ عبدالرحمن بن عوفؓ، سریہ علیؓ، سریہ زید بن حارثہؓ بجانب ام قرفہ، سریہ عبداللہ بن عتیک، سریہ عبداللہ بن رواحہؓ، سریہ کرز بن جابر، سریہ عمرو الضمری۔ اس سال کے غزوات میں واقعہ حدیبیہ زیادہ اہم ہے

۷ھ اس سال میں صرف ایک غزوۂ خیبر واقع ہوا، جو اہم غزوات میں سے ہے اور پانچ سرایا روانہ ہوئے۔ سریہ ابوبکر، سریہ بشیر بن سعد، سریہ غالب بن عبداللہ، سریہ بشیر، سریہ اجزم۔

۸ھ میں چار اہم غزوات پیش آئے۔ غزوۂ موتہ، فتح مکہ معظمہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، اور دس سرایا بھیجے گئے۔ سریہ غالب بنجانب بنی الملوح، سریہ غالب بجانب فدک، سریہ شجاع، سریہ کعب رضی اللہ عنہ سریہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سریہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سریہ ابوقتادہ، سریہ خالد، جس کو غمیصا بھی کہا جاتا ہے۔ سریہ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ، سریہ قطبیہؓ

۹ھ میں صرف ایک غزوۂ تبوک واقع ہوا جو اہم غزوات میں سے ہے اور تین سریے روانہ کیے گئے۔ سریہ علقمہ، سریہ علی، سریہ عکاشہ۔

۱۰ھ میں صرف دو سریے روانہ کیے گئے: سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بجانب نجران اور سریہ علی رضی اللہ عنہ بجانب یمن اور اسی سال حجۃ الوداع ہوا۔

اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک سریہ کی روانگی کا بسر کردگی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد روانہ ہو سکا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محدثین اور مؤرخین اسلام کی اصطلاح میں غزوہ اور سریہ کا اطلاق کچھ ایسا عام ہے کہ ذرا ذرا سے معمولی واقعات کو بھی غزوہ اور سریہ کے نام

سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ اگر ایک یا دو آدمی کسی مجرم کی گرفتاری کے لیے گئے تو مؤرخین اس کو بھی سریہ کہتے ہیں۔ چند آدمی کسی معمولی قبیلے کی اصلاح یا ان کے حالات کے خبر لینے کو گئے ان کو بھی سریہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح غزوہ کے مفہوم میں مؤرخین کی اصطلاح میں نہایت توسیع ہے اور یہی وجہ ہے کہ غزوات یا سرایا کی مجموعی تعداد مذکورہ الصدر بیان کے مطابق چھیاسٹھ تک پہنچتی ہے [1] ورنہ ہمارے عرف میں جہاد اور غزوہ جس اہم جنگ کو سمجھ جاتا ہے وہ ان تمام واقعات میں صرف چند ہیں جن کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہدیہ ناظر کیا جاتا ہے۔

اہم غزوات وسرایا اور واقعات متفرقہ

پہلا سریہ امارت حمزہ رضی اللہ تعالے عنہ

ہجرت کے سات مہینے کے بعد ماہ رمضان المبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین پر امیر لشکر بنا کر ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور قریش کے ایک قافلہ کی طرف روانہ کیا لیکن جب یہ حضرات دریا کے کنارے پر پہنچے اور باہمی مقابلہ ہوا تو مجدی بن عمر جہنی نے درمیان میں پڑ کر جنگ کو روک دیا۔

سریہ عبیدہ بن الحارث اور اسلام میں تیر اندازی کا آغاز

شوال ۱ ہجری میں حضرت عبیداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ آدمیوں کا امیر لشکر بنا کر بطن رابغ کی طرف ابوسفیان کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا، اسی جہاد میں اول تیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر پھینکا اور یہ سب سے پہلا تیر ہے جو اسلام میں کفار پر چلایا گیا تھا۔

---

[1] غزوات ۲۳، سرایا ۴۳۔ ۱۲ منہ

۲ھ تحویل قبلہ، غزوہ بدر، سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

اس سال سے اسلام کی زندگی میں ایک عظیم الشان تغیر یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا قبلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ قرار دیا جاتا ہے جو دنیا کا پہلا گھر ہے اور جسے لوگوں کو یکجہتی کے ساتھ خدا کی عبادت پر مجتمع کرنے کے لیے مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور اسلام میں پہلی غنیمت

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ مہاجرین پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ماہ رجب میں مقام نخلہ میں ایک قریشی قافلہ کے لیے روانہ فرمایا۔ جس روز قافلہ سامنے آیا تو اتفاقاً ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی اور رجب ان مہینوں میں سے ہے جن میں ابتداءِ اسلام میں قتل وقتال حرام تھا لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس تاریخ کو جمادی الثانیہ کی تیسویں تاریخ سمجھ رہے تھے جیسا کہ لباب النقول اور بیضاوی میں ابن جریر اور بیہقی سے نقل کیا ہے۔ اس لیے مشورہ کے بعد یہی قرار پایا کہ مقابلہ کرنا چاہیے بالآخر مقابلہ ہوا تو رئیس قافلہ مارا گیا اور دو آدمی گرفتار ہوئے، باقی بھاگ گئے اور مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا جو امیر سریہ نے شرکاءِ جہاد میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکال رکھا اور بعض روایات میں ہے کہ کل مال غنیمت لے کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں شہرِ حرام یعنی رجب میں مقاتلہ کا حکم نہ دیا تھا، یہ مال غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر سے فارغ ہونے کے بعد اس کے مالِ غنیمت کے ساتھ تقسیم کیا۔ اس واقعہ سے عرب میں یہ چرچا ہوا کہ آپ

ﷺ نے شہر حرام میں قتال کو جائز کر دیا۔ اس وقت آیت کریمہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ان کے جواب کے لیے نازل ہوئی۔

غزوہ بدر

مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر ایک کنویں کا نام بدر ہے اور اسی کے نام سے ایک گاؤں کی آبادی بھی ہے، یہ عظیم الشان جہاد اسی سرزمین پر واقع ہوا جس کا واقعہ بالاختصار یہ ہے:

قریش کا مایہ ناز اور ان کی تمام تر قوت و شوکت کا سبب چونکہ ملک شام کی تجارت تھی اس لیے سیاسی اصول کے مطابق ضرورت تھی کہ ان کی شوکت توڑنے کے لیے اس سلسلہ کو بند کیا جائے۔ ایک مرتبہ قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ملک شام سے آ رہا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ۱۲ ررمضان المبارک ۲ ہجری کو تین سو چودہ صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے خود بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ روحا میں پہنچ کر ڈیرہ ڈال دیا (روحا مدینہ کی جنوبی جانب میں چالیس میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے) ادھر قریشی قافلے کے سردار کو اس کی اطلاع ہوگئی، اس لیے وہ راستہ چھوڑ کر دریا کے کنارے کنارے قافلہ کو لے چلا اور ساتھ ہی ایک سوار کو مکہ کی طرف دوڑایا کہ قریش اپنی پوری طاقت کے ساتھ جلد موقع پر پہنچیں اور اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کریں، قریش پہلے ہی مسلمانوں کے استیصال کے منصوبے گانٹھ رہے تھے، اس خبر کا مکہ میں پہنچنا تھا کہ فوراً نو سو پچاس نوجوانوں کا ایک بڑا لشکر جن میں سو گھوڑے کے سوار اور سات سو اونٹ تھے۔ آپ ﷺ کے مقابلے کے لیے روانہ ہوگیا، اس لشکر میں قریش کے بڑے بڑے سردار اور متمول لوگ سب کے سب شریک تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانثاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جان و مال کو پیش کردیا۔ عمرو بن وقاص رضی اللہ عنہ اس وقت کم عمر تھے اس لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو شرکت جہاد سے روک دیا تو وہ رونے لگے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی اور وہ بھی شریک جہاد ہوئے۔

انصار میں سے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اٹھ کر کہا کہ خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ (صحیح مسلم)۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ مقداد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے لڑیں گے۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے، آگے بڑھنے کا حکم فرمایا، بدر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان تو اپنے قافلہ تجارت کو لے کر نکل گیا ہے اور قریش کا بڑا لشکر اسی میدان کے دوسرے کنارے پڑا ہے اور قافلہ نکل جانے کے بعد بھی ابوجہل نے لوگوں کو یہی مشورہ دیا کہ جنگ ملتوی نہ کی جائے۔

مسلمانوں کا لشکر یہ سن کر آگے بڑھا لیکن قریش پہلے پہنچ کر ایسی جگہ پر قابض ہوچکے تھے جو جنگی محاذ کے لیے بہتر تھی۔ پانی کے مواقع بھی سب اسی طرف تھے۔ مسلمان پہنچے تو ایسی ریتیلی زمین اس کے حصے میں آئی کہ اس میں چلنا دشوار ہونے کے علاوہ پانی کا نام نہیں۔

غیبی امداد: ......لیکن خداوند عالم فتح و نصرت کا وعدہ فرما چکا ہے، ایسے ہی اسباب مہیا فرمادیے کہ اسی وقت بارش ہوئی جس سے زمین کی ریت جم گئی، تمام لشکر نے

سیراب ہو کر پانی پیا اور پلایا اور اپنے برتن سب بھر لیے اور زمین میں باقی ماندہ پانی کو حوض بنا کر روک دیا گیا۔ ادھر اسی بارش نے کفار کی زمین پر اس قدر کیچڑ پیدا کر دیا کہ چلنا مشکل ہو گیا جب دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفوف قتال کو درست کرنے کے لیے خود کھڑے ہوئے۔ چنانچہ یہ لشکر ایک مستحکم دیوار کی صورت بن کر کھڑا ہو گیا۔

مسلمانوں کا ایفائے عہد

اس وقت جب تین سو بے سروسامان آدمیوں کا مقابلہ ایک ہزار باشوکت کافروں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص بھی اس وقت اس کی امداد کو پہنچ جائے تو وہ کس قدر غنیمت معلوم ہوگا، لیکن اسلام میں پابندی عہد ان سب سے مقدم ہے، عین میدانِ کارزار میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ابوحسل رضی اللہ عنہ دو صحابی شرکت جہاد کے لیے پہنچتے ہیں مگر آ کر اپنے راستے کے احوال بیان کرتے ہیں کہ راستے میں کفار نے روکا کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد کو جا رہے ہو، ہم نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کر لیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وعدہ کا علم ہوا، تو دونوں کو شرکت جہاد سے روک دیا اور فرمایا کہ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہمیں اللہ کی امداد کافی ہے اور بس۔ (صحیح مسلم)

الغرض! صفیں درست ہو گئیں تو پہلے قریش کے تین بہادر نکلے مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ کیا تینوں کافر قتل ہو گئے۔ مسلمانوں میں سے صرف عبیدہ زخمی ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کندھے پر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پائے مبارک سے تکیہ لگا کر ان کو لٹایا اور ان کے چہرے کا

غبار خود دستِ مبارک سے صاف فرمایا:

دامن سے وہ پونچھتا ہے آنسو روئے کا کچھ آج ہی مزا ہے

حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دم توڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں شہادت سے محروم رہا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں تم شہید ہو اور میں اس پر گواہ ہوں اب تو عبیدہ رضی اللہ عنہ مسرت سے کہنے لگے کہ آج ابوطالب زندہ ہوتے تو انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ ان کے اشعار کا پورا مستحق میں ہوں۔ [1] جب حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے اور اپنے دست مبارک سے دفن کیا یہ امتیازی فضیلت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں صرف عبیدہ رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ (کنز)

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے گو بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

صحابہ رضی اللہ عنہم کا حیرت انگیز ایثار و جانبازی

اس وقت جب دونوں لشکر ملے تو دیکھا گیا کہ بہت سے اپنے ہی لختِ جگر تلواروں کی زد میں ہیں مگر اس حزب اللہ کا عقیدہ تھا:

ہزار خویش کہ بیگاں از خدا باشد فدائے یکتن بیگانہ کاشنا باشد

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب جو ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سرگرم تھے۔ انہوں نے اپنے جذبہ حمایت کو ان اشعار میں ادا فرمایا تھا:

كذبتم وبيت الله يبزى محمد ولما نطاعن دونه ونناضل

ونسلمه حتى نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

یعنی بیت اللہ کی قسم! تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر سخت نیزہ بازی اور تیر اندازی کے سپردِ خاک کر دیں گے یا آپ کو دشمنوں کے سپرد کر دیں گے۔ یہاں تک کہ ہماری لاشیں آپ کے گرد پڑی ہوں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جائیں۔ (از کنز، صفحہ ۲۷۲ جلد ۵)

یعنی ہزار، قریب رشتہ دار جو خداوند تعالیٰ سے بیگانہ ہوں، اس ایک شخص پر فدا ہے جو آشنائی حق ہو۔

چنانچہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے جو اب تک کافر تھے، میدان میں آئے تو خود حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تلوار ان کی طرف بڑھی۔ عتبہ سامنے آیا تو ان کے فرزند حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر باہر نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں میدان میں بڑھا تو فاروقی تلوار نے خود اس کا فیصلہ کیا۔ (سیرت ابن ہشام و استیعاب ابن عبد البر)

اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی، ادھر میدان کارزار گرم تھا، ادھر سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں پڑے ہوئے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔ بالآخر غیبی شہادت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطمئن فرمایا۔

ابوجہل کی ہلاکت

چونکہ ابوجہل کی شرارت اور اسلام کی دشمنی سب میں مشہور ہے اس لیے انصار میں سے حضرت معوّذ اور معاذ رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ وہ جب ابوجہل کو دیکھیں گے تو یا اسے مار دیں گے یا خود مر جائیں گے۔ اس عہد پر یہ دونوں بھائی اپنا عہد پورا کرنے کے لیے نکلے مگر ابوجہل کو پہچانتے نہ تھے، اس لیے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ابوجہل کونسا ہے؟ انہوں نے اشارہ سے بتلا دیا، بتلانا تھا کہ دونوں باز کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ ابوجہل اسی وقت خاک و خون میں تھا۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ نے (جو بعد میں مسلمان ہوئے) پیچھے سے آکر معاذ رضی اللہ عنہ کے شانہ پر تلوار ماری جس سے شانہ کٹ گیا مگر ایک تسمہ باقی رہا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے عکرمہ کا تعاقب کیا مگر وہ بھاگ گئے۔ پھر معاذ اسی حالت میں مصروف جہاد ہوگئے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے ہاتھ کو نیچے دبا کر کھینچا کہ وہ تسمہ بھی الگ ہوگیا اور پھر مصروف جہاد ہوگئے۔ (سیرت حلبیہ، صفحہ ۵۵۴، جلد ۱)

ایک عظیم الشان معجزہ

ایک مٹھی کنکریوں سے سارے لشکر کو شکست اور ملائکہ کی امداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خداوندی ایک مٹھی بھر کنکریاں دشمن کے لشکر کی طرف پھینکیں اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ دفعتاً ان پر ٹوٹ پڑو۔ ادھر ظاہری اسباب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھوڑی سی جماعت ان کی طرف بڑھی اور ادھر خداوند عالم نے ملائکہ کی فوج مسلمانوں کی امداد کے لیے بھیج دی اور اپنا وعدہ نصرت پورا فرما دیا قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور باقی کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انہوں نے بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا، ان میں بعض کو قتل اور بعض کو قید کر لیا ۔جس میں ستر آدمی مقتول اور ستر گرفتار ہوئے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف سب ایک ایک کر کے مارے گئے اور ادھر مسلمانوں میں سے صرف چودہ آدمی شہید ہوئے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔

تنبیہ! یہ غزوہ دراصل اول سے آخر تک اسلام کا کھلا معجزہ تھا ورنہ اس میں مسلمانوں کی فتح کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ ادھر ایک ہزار نوجوانوں کا عظیم الشان لشکر ہے اور ادھر صرف تین سو چودہ آدمی، ادھر بڑے بڑے دولت مند امراء ہیں جو تنہا سارے لشکر کی رسد وغیرہ کا خرچ خود اٹھا سکتے ہیں اور ادھر بے سروسامان مفلس لوگ، ادھر سواروں کی جمعیت اور ادھر مسلمانوں کے لشکر میں صرف دو گھوڑے، ادھر ہر قسم کے ہتھیار اور اسلحہ کی بھرمار اور ادھر صرف معدود تلواریں۔

یورپین مؤرخین حیرت میں ہیں کہ یہ کیسے ہوگیا؟ انہیں خبر نہیں کہ فتح و نصرت، کامیابی یا ناکامی گھوڑوں اور تلواروں یا مال و دولت کے قبضے میں نہیں بلکہ اس میں اور کوئی ہاتھ کارفرما ہے لیکن اسباب ظاہری کے دل دادہ برق و بھاپ کے پوجنے

والے کہاں اس حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ اکبر نے خوب کہا ہے: ؎

چھوڑ کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

اسیرانِ جنگ بدر کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

تہذیب کے مدعی یورپنیوں کے لیے سبق

اسیران جنگ بدر جب مدینہ طیبہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو دو چار چار کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیے اور سب کو حکم دیا کہ ان کو آرام کے ساتھ رکھیں جس کا اثر یہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوروں پر بسر کرتے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ابوعزیز بھی ان قیدیوں میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاری کے سپرد کیا گیا تھا جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود صرف کھجوروں پر بسر کرتے تھے۔

اسیرانِ جنگ کے معاملے میں بعد مشورہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ طے ہوا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ چار چار ہزار فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔

اسلامی مساوات

ان قیدیوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے (جو بعد میں مسلمان ہوئے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ رات کو قید کی تکلیف سے کراہتے تھے ان کی آواز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچی تو نیند اڑ گئی۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو نیند کیوں نہیں آئی؟ ارشاد ہوا کہ میں کیسے سو سکتا ہوں جب میرے عم بزرگوار کے کراہنے کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی ہے۔

(کنز، صفحہ ۳۷۶ جلد ۵)

یہ سب کچھ تھا مگر مساوات اسلامی اس کی اجازت نہ دیتی تھی کہ اپنے ضعیف العمر عم بزرگوار کو قید سے رہا کر دیا جائے، جس طرح سب سے فدیہ لیا گیا ان سے بھی سے اسی طرح وصول کیا گیا، بلکہ عام قیدیوں کی نسبت کچھ زیادہ کیونکہ عام اسیروں سے چار ہزار اور امراء سے کچھ زیادہ لیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی غنی تھے۔ ان کو بھی چار ہزار سے زیادہ دینا پڑا۔ انصار نے بھی عرض کیا کہ عباس رضی اللہ عنہ سے فدیہ معاف کر دیا جائے مگر اسلامی مساوات میں عزیز و اقارب اور دوست دشمن سب برابر تھے۔ انصار کے کہنے پر بھی یہ قبول نہیں کیا گیا، اسی طرح آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے داماد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی اسیران جنگ میں آئے۔ ان کے پاس فدیہ کے لیے مال نہ تھا۔ اس لیے ان کی زوجہ یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو مکہ میں مقیم تھیں کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں، ان کے گلے میں ایک ہار تھا، جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے جہیز میں دیا تھا وہی گلے سے اتار کر بھیج دیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہار دیکھا تو بے اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم سب راضی ہو تو زینب کے پاس یہ اس کی والدہ کی یادگار ہے اس کو واپس کر دوں؟۔ صحابہؓ نے بخوشی قبول کر کے واپس کر دیا اور ابوالعاص سے کہہ دیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔ (مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد، احمد صفحہ ۳۴۶)

حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اسلام

ابوالعاص آزاد ہو کر مکہ پہنچے اور شرط کے موافق حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیجا۔ ابوالعاص ایک بڑے تاجر تھے۔ اتفاقاً دوسری مرتبہ پھر ملک شام سے مال لاتے ہوئے پکڑے گئے اور پھر اس مرتبہ رہا ہو کر مکہ واپس آئے تو تمام شرکاء کا

حساب بے باق کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے اور لوگوں سے کہہ دیا کہ میں اس لیے یہاں آ کر مسلمان ہوتا ہوں کہ لوگ یوں نہ کہیں کہ ہمارا مال لے کر تقاضہ کے ڈر سے مسلمان ہوگیا یا بجبر و اکراہ مسلمان کرلیا گیا۔ (تاریخ طبری)

بدر کے قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو کپڑے دلوا دیے مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر لمبا تھا کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر راست نہ آیا تو عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) نے اپنا کرتہ دے دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اپنا کرتہ عبداللہ بن اُبی کے کفن میں عنایت فرمایا تھا اس میں اس احسان کا معاوضہ بھی ملحوظ تھا۔ (صحیح بخاری)

اسلامی ریاست اور ترقی تعلیم

اسیران جنگ میں جو لوگ فدیہ نہیں دے سکتے تھے ان میں سے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ تم دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو، یہی تمہارا فدیہ ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی طرح لکھنا سیکھا۔

اس سال کے واقعاتِ متفرقہ

اسی سال اتوار کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر سے تشریف لائے تو لوگ آپ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے ہاتھ جھاڑ رہے تھے (سیرت مغلطائی، صفحہ ۴۵

اسی سال بعد واپسی غزوۂ بدر پہلی مرتبہ عیدالفطر پڑھی گئی۔ رمضان کے روزے اور صدقۃ الفطر بھی اسی سال واجب ہوئے۔ عیدالاضحیٰ کی نماز اور قربانی بھی اسی سال واجب ہوئی۔ (سیرت مغلطائی)

اس سال ماہ ذی الحجہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی۔

۳ھ غزوۂ احد و غطفان وغیرہ

غزوۂ غطفان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلق عظیم کا معجزہ

۳ھ میں ساڑھے چار سو آدمی لے کر دعثور بن الحارث محاربی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے چلا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقابلے کے لیے تشریف لائے تو سب نے بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مطمئن ہو کر میدان سے واپس آئے، اس وقت اتفاقاً بارش سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے تر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو سکھانے کے لیے نکال کر درخت پر پھیلا دیا اور خود ان کے سایہ میں لیٹ گئے۔ ادھر پہاڑ کے اوپر دعثور دیکھ رہا تھا، جب اس نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مطمئن ہو کر لیٹ گئے تو سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سرہانے پہنچا اور تلوار کھینچ کر سامنے آیا اور کہا: بتلاؤ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ مگر مقابلے میں خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔ بغیر کسی خوف و ہراس کے جواب دیا کہ ہاں اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ اس کلمہ کا سننا تھا کہ دعثور کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تلوار اٹھا کر فرمایا: تم بولو اب تمہیں کون بچائے گا؟ اس کے پاس اس کے سوا کیا جواب تھا کہ کوئی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی بے چارگی پر رحم آ گیا اور اس کو معاف فرما کر چھوڑ دیا۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۴۰)

دُعثور یہاں سے اٹھا اور یہ اثر لے کر اٹھا کہ نہ فقط خود مسلمان ہوا بلکہ اپنی قوم میں جا کر اسلام کا ایک زبردست مبلغ بن گیا۔ [۱]

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں　　دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

---

[۱] شپرہ چشمی سے اعتراض کرنے والی یورپی اقوام دیکھیں کہ اشاعت اسلام کا ذریعہ یہ خلق عظیم تھا نہ کہ تلوار کا زور یا مالی طمع۔ ۱۲

حضرت حفصہ اور زینب رضی اللہ عنہما سے نکاح

شعبان ۳ ہجری میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور رمضان ۳ ہجری میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں (سیرت مغلطائی)

غزوہ احد

احد مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے جس جگہ جہاد ہوا ہے اسی جگہ حضرت ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر بھی ہے، یہ باتفاق جمہور شوال ۳ ہجری میں ہوا ہے اور تاریخ میں مختلف اقوال ہیں۔ ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱۔ (زرقانی شرح مواہب، صفحہ ۴۰ جلد ۳)

بدر کے شکست خوردہ مشرکین نے سال بھر کے بعد جب کچھ ہوش سنبھالا تو حرارت انتقام بڑھنے لگی اور اس مرتبہ نہایت اہتمام سے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور اس غرض کے لیے تین ہزار نوجوانوں کا لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا جن میں سات سو زرہیں اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور چودہ عورتیں بھی اس غرض کے لیے ساتھ تھیں کہ مردوں کو غیرت دلائیں اور اگر بھاگیں تو لعنت ملامت سے شرما دیں۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت اسلام لا چکے تھے مگر ابھی تک مکہ ہی میں مقیم تھے، انہوں نے فوراً تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بھیج دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو فوراً دو آدمی تحقیق حالات کے لیے بھیجے۔ انہوں نے آ کر خبر دی کہ قریش کا لشکر مدینہ آ پہنچا، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیے گئے اور صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد ایک ہزار صحابہ کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے جن میں عبداللہ بن ابی منافق اور اس

کے تین سو ہم خیال منافقین بھی شامل تھے مگر یہ سب کے سب راستے ہی سے واپس ہو گئے اور اب مسلمانوں کا لشکر صرف سات سو ہی رہ گیا۔

فوج کی ترتیب اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لڑکوں کا شوقِ جہاد

مدینہ سے نکل کر جب فوج کا جائزہ لیا گیا تو کمسن بچے واپس کر دیے گئے مگر بچوں میں جہاد کے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ جب رافع بن خدیج رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا گیا کہ تمہاری عمر کم ہے، تم واپس جاؤ تو پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ اونچے معلوم ہونے لگیں چنانچہ وہ جہاد میں لے لیے گئے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ جو ان کے ہم عمر تھے، جب انہوں نے دیکھا تو عرض کی کہ میں تو رافع کو لڑائی میں پچھاڑ سکتا ہوں، اگر وہ جہاد میں لیے جاتے ہیں تو مجھے بدرجہ اولیٰ لینا چاہیے۔ ان کے کہنے کے مطابق دونوں میں مقابلہ کرایا گیا۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا اور ان کو بھی جہاد میں لے لیا گیا (تاریخ طبری، جلد ۳)

کیا اشاعتِ اسلام کو بزور شمشیر کہنے والے ان قربانیوں کو دیکھ کر بھی اپنے افتراء سے نہ شرمائیں گے؟

الغرض! مقابلہ پر پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صف آرائی فرمائی، احد پہاڑ پشت کی طرف تھا، اس لیے اس کی طرف سے غنیم کے آنے کا احتمال تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس آدمی پہاڑ پر پہرے کے لیے کھڑے کر دیے اور ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہ نہ ہلنا۔

لڑائی شروع ہوئی اور دیر تک گھمسان کی لڑائی کے بعد جب فوجیں ہٹیں تو مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا۔ قریش بدحواس ہو کر منتشر ہو گئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا، یہ دیکھتے ہی وہ لوگ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں آ گئے

جن کو عقب کی جانب پہاڑ کی نگرانی کے لیے مقرر فرما دیا تھا۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بہت منع کیا مگر وہ یہ سمجھ کر کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں رہی، یہاں سے ہٹ گئے نہ رُکے اور یہاں صرف چند صحابہ رہ گئے۔

یہ دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے) عقب کی جانب سے دفعتاً حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے باقی ماندہ چند ساتھیوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ بالآخر سب کے سب شہید ہو گے۔ اب راستہ صاف ہو گیا تو خالد اپنے دستے کے ساتھ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور دونوں فوجیں اس طرح مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالٰی عنہ شہید ہوئے یہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے، ان کی شہادت سے یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے اور بعض روایات میں ہے کہ کسی شیطان یا مشرک نے زور سے یہ آواز دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل ہو گئے۔ (زرقانی شرح مواہب، صفحہ ۳۳ جلد ۲)

اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ مسلمانوں کی فوج میں مایوسی چھا گئی۔ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن بہت سے جاں نثار لوگ اس وقت بھی برابر سرگرم قتال تھے مگر سب کی نگاہیں اسی کعبہ مقصود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشتیاق کے ساتھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو انہوں نے خوشی سے پکارا کہ مبارک ہو! رسول اللہؐ یہاں بخیر و عافیت تشریف فرما ہیں۔ یہ سنتے ہیں صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب دوڑ پڑے مگر ساتھ ہی کفار نے بھی سب کی طرف سے ہٹ کر اسی جانب رخ کیا۔ کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر حملہ ہوا مگر آپ علیہ الصلوۃ والسلام محفوظ رہے۔

ایک مرتبہ جب کفار نے ہجوم کیا تو ارشاد ہوا: کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ مع چار اصحاب کے آگے بڑھے، سب کے سب نہایت دلیرانہ جانبازی کے ساتھ شہید ہو گئے، جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گرے تو ارشاد فرمایا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا لائے۔ اس وقت تک کچھ جان باقی تھی، قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دے دی۔ سبحان اللہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کا زخمی ہونا

قریش کا مشہور بہادر عبداللہ ابن قمیہ صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر تلوار ماری۔ جس سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں گھس گئیں اور ایک دندان مبارک شہید ہو گیا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کی کڑیوں کو زخم سے نکالنے کے لیے آگے بڑھے تو ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم دی کہ خدا کے لیے یہ خدمت مجھے کرنے دو اور خود آگے بڑھ کر ہاتھ کے بجائے اپنے منہ سے ان کڑیوں کو کھینچا تو پہلی مرتبہ ایک کڑی نکلی مگر ساتھ ہی اس کے زور سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت بھی گر گیا۔ یہ دیکھ دوسری کڑی نکالنے کے لیے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بڑھنے لگے تو ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر قسم دے کر ان کو روکا اور خود ہی دوبارہ اسی طرح سے منہ سے دوسری کڑی نکالی جس کے ساتھ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا دانت بھی گر گیا۔ (ابن حبان و دار قطنی وغیرہ از کنز، صفحہ ۲۷۴، جلد ۵)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ڈھال کے ذریعہ آپ کی حفاظت کر رہے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب گردن اٹھا کر فوج کی طرف دیکھتے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے: یا رسول اللہ! آپ سر نہ اٹھائیے، نصیب اعداء کوئی تیر نہ لگ جائے، اس کے لیے

آپ سے پہلے میرا سینہ موجود ہے۔ (بخاری، غزوۂ احد)

ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں قتل ہو گیا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں۔ ان کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں جو کھا رہے تھے، یہ سنتے ہی انہیں پھینک کر سیدھے معرکہ میں پہنچے اور سرگرم قتال ہونے کے بعد شہید ہو گئے۔ (بخاری غزوۂ احد)

یہ قریش بد بخت بے رحمی کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تیر، تلواریں برسا رہے تھے مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: ...... اے میرے پروردگار! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ جانتے نہیں۔

(فتح الباری، پارہ ۱۶، صفحہ ۴۸ غزوۂ احد)

چہرۂ انور سے خون جاری تھا اور سراپا رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو کسی کپڑے وغیرہ سے پونچھتے جاتے تھے اور فرمایا کہ اگر اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر جاتا تو سب پر عذاب خداوندی نازل ہو جاتا۔ (فتح الباری، غزوۂ احد)

اس غزوہ میں کفار کے صرف بائیس یا تئیس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں میں سے ستّر آدمی شہید ہوئے۔

۴ھ سریہ منذر بجانب بیر معونہ

اس سال ماہِ صفر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ اہل نجد کی جانب تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا، جن میں بڑے بڑے علما و صلحا شامل تھے، وہاں پہنچے تو عامر، رعل، ذکوان، عصیہ ان کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بالآخر جنگ ہوئی اور اتفاقاً سب شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے سخت رنج

پہنچا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے قاتلین کے لیے چند روز صبح کی نماز میں بدعا فرمائی۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۵۳)

اور اسی سال ماہ شوال میں حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ولادت ہوئی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں۔

۵ھ قریش اور یہود کی متفقہ سازش

اور غزوۂ احزاب، قریش اور یہود کا اتفاق

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں یہود سے مصالحت کا معاہدہ فرمایا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفا کرتے رہے لیکن چونکہ یہودی مدینہ طیبہ کے رئیس اور بڑے مانے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد اسلام کی روز افزوں ترقی اور شوکت کو دیکھ کر ان کو سخت غیظ ہوتا اور اسی لیے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے۔

غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح یابی ہوئی تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اور بالآخر انہوں نے اعلانیہ عہد شکنی شروع کردی۔ چنانچہ ۲ ہجری میں ان کے قبیلہ بنی قینقاع نے اعلان جنگ کیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع کی۔ مقابلہ ہوا تو وہ سب قلعہ بند ہوگئے۔ کچھ عرصہ محصور رہنے کے بعد جلاوطن ہوکر بنو قینقاع شام کے علاقہ میں اور بنو نضیر خیبر وغیرہ میں چلے گئے۔ ادھر قریش مکہ پہلے سے یہاں یہود اور منافقین کو خطوط لکھ کر نہ صرف مخالفت پر اکسا رہے تھے بلکہ یہ دھمکی بھی ساتھ تھی کہ اگر تم محمد کو وہاں سے نکال نہ دو گے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ (ابوداؤد)

اس وقت یہ اسباب باہمی ربط و اتحاد کا بہانہ بن گئے اور اب قریش مکہ، یہود مدینہ اور منافقین سب کی مجموعی طاقتیں اسلام کے خلاف کھڑی ہو گئیں۔ مکہ سے مدینہ تک تمام قبائل میں ایک آگ سی لگ گئی۔

چنانچہ غزوات ذات الرقاع مؤرخہ ۱۰ ؍ محرم ۵ ہجری اسی سازش کا نتیجہ تھا اور پھر غزوۂ دومۃ الجندل جو ربیع الاول ۵ ہجری میں واقع ہوا وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ غزوۂ بنو مصطلق مؤرخہ ۲ شعبان ۵ ہجری کا باعث بھی یہی متفقہ سازش تھی، یہ سازشیں ایک عرصہ تک اس طرح مختلف صورتوں میں ظاہر ہو کر ترقی کرتی رہیں۔

غزوۂ احزاب اور واقعۂ خندق

بالآخر ذیقعدہ ۵ ہجری میں سب نے اپنی پوری قوتیں جمع کر کے یکبارگی مدینہ پر حملہ کی ٹھانی اور اسی طرح دس ہزار آدمیوں کا لشکر جرار مسلمانوں کو مٹانے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف بڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رائے دی کہ کھلے میدان میں جنگ کرنا مناسب نہیں بلکہ جس طرف سے مدینہ کے اندر ان کے گھسنے کا احتمال ہے اس طرف خندق کھودی جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر خندق کھودنے کے لیے خود بھی کمربستہ ہو گئے۔ چھ دن میں یہ پانچ گز گہری خندق اس طرح تیار ہوئی کہ اس کے کھودنے کے لیے خود سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کا ایک بڑا حصہ تھا۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۵۶)

ایک مرتبہ خندق کھودتے ہوئے ایک پتھر کی چٹان نکل آئی جس کی وجہ سے سب کے سب عاجز ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دست مبارک سے ایک پھاوڑا مارا تو اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔ غرض خندق تیار ہو گئی۔

ادھر کفر کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ تقریباً پندرہ روز تک مسلمان اس میں محصور رہے۔ محاصرہ کی وجہ سے مدینہ میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ رسد کی قلت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر تین دن کے فاقے گزر گئے۔

ایک روز مضطر ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائے کہ سب نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کر سکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیے۔ جانبین سے مسلسل تیراندازی ہوئی۔ اسی سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔

کفار پر ہوا کا طوفان اور نصرتِ الٰہی

بالآخر خداوند کریم نے اس بے سروسامان جماعت کی امداد فرمائی اور لشکر کفار پر ہوا کا ایک ایسا طوفان مسلط فرمادیا کہ خیموں کی چوبیں اکھڑ گئیں۔ چولہوں سے دیگچیاں الٹ گئیں، جس نے ان کی فوج کے حواس معطل کر دیے اور ان کا سامان رسد بھی ختم ہو گیا۔ ادھر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی تدبیر کی کہ جس سے کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ غرض ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ اب کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں میدان صاف ہو گیا۔

واقعات متفرقہ

اسی سال میں حج فرض ہوا۔ اس تاریخ میں اور بھی مختلف اقوال ہیں۔ اس سال ماہ جمادی الاولیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ یعنی رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے فوت ہوئے اور آخری شوال میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کی

وفات ہوگئی اور ذیقعدہ میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آئیں۔
اسی سال مدینہ میں زلزلہ آیا اور خسوف قمر ہوا۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۵۵)

۶ھ صلح حدیبیہ، بیعت رضوان، سلاطین دنیا کو دعوتِ اسلام

شروع ذیقعدہ ۶ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظّمہ کا ارادہ فرمایا اور عمرہ کا احرام باندھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی ایک بڑی جماعت تھی، جس کی تعداد چودہ پندرہ سو بیان کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوئی۔ (سیرت مغلطائی)

حدیبیہ مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے اور اسی کے نام سے گاؤں کا نام بھی حدیبیہ مشہور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پہنچ کر قیام فرمایا۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ

ایک کنواں بالکل خشک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعجاز سے اس میں اتنا پانی آ گیا کہ سب سیراب ہوگئے۔ یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ قریش کو مطلع کردیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت محض زیارت بیت اللہ اور عمرہ کے لیے تشریف لائے ہیں اور کوئی سیاسی غرض نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو کفار نے ان کو روک لیا۔ ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی بلکہ قریش نے سہیل بن عمرو کو شرائط صلح طے کرنے کے لیے بھیجا۔ حسب ذیل شرائط طے ہوکر عہدنامہ لکھا گیا اور دس سال کے لیے باہمی صلح ہوگئی۔

۱ ...... مسلمان اس وقت واپس جائیں۔

۲ ...... آئندہ سال صرف تین دن قیام کر کے واپس جائیں۔

۳ ...... ہتھیار لگا کر نہ آئیں، تلوار ساتھ میں ہو تو میان میں رکھیں۔

۴ ...... مکہ سے کسی مسلمان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔

۵ ...... اگر کوئی مسلمان مکہ میں رہنا چاہے تو اسے منع نہ کریں۔

۶ ...... اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیں۔

۷ ...... اگر مدینہ سے کوئی آ جائے تو کفار اسے واپس نہ کریں۔

یہ تمام شرائط اگرچہ مسلمانوں کے خلاف تھیں اور یہ صلح بظاہر مغلوبانہ تھی لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کا نام فتح رکھا اور اسی سفر میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح دب کر صلح کرنا سخت ناگوار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باصرار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خدا کا یہی حکم ہے اور اسی میں ہمارے مستقبل کی تمام فلاح مضمر ہے۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے اس معمہ کو حل کر دیا کیونکہ اس صلح کی بدولت اطمینان کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اور مسلمانوں کے پاس آنے جانے لگے۔ ادھر اسلامی اخلاق کی مقناطیسی کشش نے ان کو کھینچنا شروع کیا

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس عرصہ میں اس قدر کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ اتنے کبھی نہیں ہوئے تھے اور درحقیقت یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ تھی۔

سلاطین دنیا کو دعوتی خطوط

اس صلح کی وجہ سے راستہ مامون ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ یہ حق کی آواز تمام دنیا کے بادشاہوں تک بھی پہنچا دی جائے۔ چنانچہ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو

اصحمہ نامی نجاشی بادشاہ حبشہ کی طرف بھیجا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کو دونوں آنکھوں پر رکھا اور تخت سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور خوش دلی سے اسلام قبول کرلیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں انتقال کر گیا۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہرقل نامی روم کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اسے بھی دلائل قاطعہ اور کتب سابقہ کی شہادتوں سے ثابت ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی برحق ہیں۔ چنانچہ اسلام لانے کا ارداہ کرلیا، مگر اس پر تمام رعیت برہم ہوگئی اور اس کو یہ قوی خطرہ پیدا ہوگیا کہ اگر مسلمان ہوگیا تو یہ لوگ مجھے سلطنت سے معزول کردیں گے۔ اس لیے اسلام لانے سے رک گیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ خسرو پرویز کج کلاہ ایران کی طرف روانہ فرمایا۔ اس بدبخت نے نامہ مبارک کے ساتھ گستاخی کی اور چاک کر کے پارہ پارہ کردیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو اسی طرح پارہ پارہ کرے جس طرح اس نے ہمارے خط کو کیا۔

سید الرسل کی دعا کیسے خالی جاتی، تھوڑے ہی عرصہ بعد خسرو پرویز خود اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے نہایت بے دردی کے ساتھ مارا گیا۔ اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو سلطان مصر و اسکندریہ (مقوقس) کی جانب بھیجا۔ اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حقانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت ڈال دی۔ چنانچہ حضرت حاطب کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چند تحفے بھیجے، جن میں ایک کنیز ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور ایک سفید خچر جس کا نام دلدل تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار دینار اور بیس جوڑے بھی ہدیہ میں تھے۔

اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بادشاہان عمان یعنی جیفر اور عبداللہ کے پاس بھیجا، ان کو بھی ذاتی تحقیق اور کتب سابقہ کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا کماحقہ

یقین ہو گیا اور دونوں مسلمان ہو گئے اور اسی وقت سے مال زکوٰۃ کا جمع کرنا شروع کر دیا اور حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ (از سرور المحزون وغیرہ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک اسلام کے ہر معرکہ میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتے تھے، اکثر غزوات میں اور بالخصوص احد میں ان ہی کے ذریعہ کفار کے اکھڑے ہوئے پاؤں جمے تھے لیکن صلح حدیبیہ کے بعد خود مسلمان ہونے کے لیے سفر کرتے ہیں، راستے میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی قصد سے جا رہے ہیں۔ دونوں ساتھ پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے (اصابۃ للحافظ)

۷ھ غزوۂ خیبر، فتح فدک و عمرۂ قضا

یہود مدینہ بنونضیر جب خیبر [1] میں جا کر آباد ہوئے تو خیبر یہودیت کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ لوگ تمام اطراف کے عرب کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے تھے، محرم یا جمادی الاولیٰ ۷ ہجری میں آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار سو پیادہ اور دو سو سواروں کے ساتھ ان پر جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ قتل وقتال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو فتح دی اور یہود کے تمام قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ اس جہاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیادہ حصہ لیا اور باب خیبر کو تنہا ہاتھ سے اکھاڑ دیا۔ حالانکہ ستّر آدمی اس کے ہلانے سے عاجز تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس دروازے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بجائے ڈھال کے استعمال کیا۔ (زرقانی، صفحہ ۲۲۹ جلد ۲)

---

[1] مدینہ طیبہ سے شام کی جانب تین چار منزل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ہے۔ (زرقانی، صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

فتح فدک:...... خیبر فتح ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود فدک کی طرف ایک رسالہ بھیجا، انہوں نے صلح کر لی۔

عمرۂ قضا:...... صلح حدیبیہ میں جو عمرہ چھوڑ دیا گیا تھا اور کفار سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال عمرہ کریں گے اور تین دن سے زائد قیام نہ کریں گے، اس سال حسب وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع تمام رفقاء کے پھر تشریف لے گئے اور شرائط معاہدہ کی پوری پابندی کے ساتھ عمرہ ادا فرما کر تشریف لے آئے۔

۸ھ سریۂ موتہ و فتح مکہ معظمہ

مُوتہ [1] ملک شام میں شہر بلقاء کے مضافات میں بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پہلی جنگ ہوئی جس کا باعث یہ تھا کہ عمرو بن شرحبیل نے جو شاہ روم کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۸ ہجری کے نصف میں تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا لشکر اس کی طرف روانہ کیا۔ جب لشکر موتہ کے قریب پہنچا تو رومیوں کو اطلاع ہوئی۔ وہ ڈیڑھ لاکھ لشکر لے کر مقابلے کے لیے نکلے۔ چند روز جنگ کے بعد خدا تعالیٰ نے ڈیڑھ لاکھ کفار پر تین ہزار مسلمانوں کا رعب اس قدر ڈال دیا کہ پسپا ہونے کے سوا ان کو کوئی صورت نجات نہ ملی۔ (تلخیص السیرۃ)

فتح مکہ:...... حدیبیہ میں جو صلح نامہ لکھا گیا تھا، مسلمان اپنی عادات کے موافق پوری پابندی کے ساتھ اس پر عامل تھے کہ ۸ ہجری میں قریش نے عہد شکنی کی۔

---

[1] بضم میم وسکون واؤ بغیر ہمزہ اور بعض کی نزدیک واؤ پر ہمزہ ہے۔ ۱۲ (زرقانی صفحہ ۲۶۷ جلد ۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قاصد بھیج کر قریش کے سامنے چند شرطیں تجدید عہد صلح کے لیے پیش فرمائیں اور آخر میں تحریر فرمادیا کہ اگر یہ شرطیں منظور نہ ہوں تو حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ قریش نے نقض معاہدہ کو ہی پسند کیا۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کی تیاری شروع کردی اور ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری بروز چہار شنبہ عصر کے بعد دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے نکلے۔ مقام کدید میں مغرب کا وقت ہوگیا تو روزہ افطار فرمایا۔ مکہ معظّمہ پہنچ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ روانہ کیا کہ اوپر کی جانب سے مکہ میں داخل ہوں اور ان سے فرمایا کہ جو شخص تم سے مقابلہ نہ کرے تم بھی اس سے قتال نہ کرنا۔

ادھر دوسری جانب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے اور اعلان فرمادیا کہ جو شخص مسجد میں داخل ہوجائے وہ مامون ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ مامون ہے۔ البتہ صرف گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا خون معاف نہ فرمایا جن کا وجود ہر قسم کے فتنوں کا مجسمہ تھا مگر یہ سب منتشر ہوگئے اور پھر ان میں سے اکثر آدمی بعد فتح مکہ کے مدینہ پہنچ کر مسلمان ہوگئے۔ ۲۰ رمضان المبارک یوم جمعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کیا۔ اس وقت تک کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اشارہ فرمادیتے تھے اور وہ بت منہ کے بل گر پڑتا تھا اور یہ آیت کریمہ زبان مبارک پر تھی: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

فتح کے بعد قریش کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

طواف سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ شیبی حاجب

کعبہ سے لے لی اور اندر تشریف لے گئے۔ وہاں سے باہر تشریف لانے کے بعد مقام ابراہیم پر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ لوگ اس کے منتظر تھے کہ آج قریش کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حکم صادر ہوتا ہے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم ہر طرح سے آزاد اور مامون ہو، پھر کعبہ کی کنجی بھی ان ہی کو واپس کر دی۔ (تلخیص السیرۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق اور ابوسفیان کا اسلام

ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف قریش کے سب سے بڑے علمبردار تھے اور تقریباً قریش کے تمام معرکوں میں ان کی فوج کے افسر بھی یہی ہوتے تھے، فتح مکہ سے پہلے اسلامی لشکر کی خبر لینے کے لیے مکہ سے باہر نکلے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے گرفتار کر لیا لیکن جب گرفتار ہو کر رحمۃ للعالمین کے دربار میں حاضر کیے جاتے ہیں تو وہاں سے معافی کا حکم ہو جاتا ہے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ ابوسفیان فوراً اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے ہیں اور اب ہم ان کو حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد ایک شخص ہانپتا کانپتا ہوا حاضر ہوا۔ سراپا رحمت نے ارشاد فرمایا کہ ''ٹھہرو، مطمئن رہو میں کوئی بادشاہ نہیں بلکہ ایک معمولی عورت کا بیٹا ہوں۔''

فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [1] پندرہ روز مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ اس وقت انصار کو یہ خیال ہو کر رنج تھا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہیں اقامت فرمائیں گے اور ہم آپ سے دور ہو جائیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان کے اس خیال کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: نہیں، بلکہ اب تو ہماری موت وحیات تمہارے ساتھ ہے۔ پھر حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا امیر مقرر فرما کر خود مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔

---

[1] سیرت مغلطائی بروایت بخاری صفحہ ۱۷۰۔ اس میں اور بھی مختلف اقوال ہیں۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد عام طور سے عرب اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا کیونکہ ان میں کثرت سے وہ لوگ تھے جو اسلام کی حقانیت کا پورا یقین رکھنے کے باوجود قریش کی شوکت کے ڈر سے مسلمان ہونے میں توقف اور فتح مکہ کا انتظار کررہے تھے۔ اس وقت وہ سب کے سب فوج در فوج اسلام میں داخل ہوگئے۔ باقی ماندہ عرب کی بھی ہمت نہ رہی کہ اسلام کی مقابلے میں کھڑے ہوں۔

البتہ دو قبیلے ہوازن اور ثقیف غیرت کی وجہ سے آمادہ جنگ ہوکر مکہ معظّمہ کی جانب مسلمانوں کے قتل کے لیے بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے بارہ ہزار کا لشکر مقابلے کے لیے جمع کیا، جن میں دس ہزار تو مہاجرین وانصار تھے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار نو مسلم تھے جو فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور یہ اب تک اسلامی لشکروں میں سب سے بڑی تعداد تھی۔ ۶ شوال ۸ ہجری کو یہ حزب اللہ (خدائی لشکر) روانہ ہوا اور جب وادی حنین میں پہنچا تو دشمن جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے، فوراً مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ چونکہ ابھی تک ترتیب صفوف بھی نہیں ہوئی تھی اس لیے اسلامی لشکر کا اگلا حصہ پسپا ہونے لگا۔

اس پسپائی کا ظاہری سبب تو یہی بے ترتیبی تھی لیکن حقیقی سبب وہ ہے جس کی طرف قرآن عزیز نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی مسلمان اس وقت خلاف عادت اپنی کثرت اور ساز وسامان دیکھ کر خوش ہورہے تھے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہاں تک کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان پر کلمات آگئے کہ آج تو ہم مغلوب نہیں ہوسکتے۔ اس لیے مالک بے نیاز نے ان کو تنبیہ کرنے کے لیے یہ صورت ظاہر فرمائی تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ ہماری فتح وشکست ہمارے ہاتھوں اور تیروں، تلواروں کا کھیل نہیں بلکہ

ایں ہمہ مستی و بے ہوشی نہ حد بادہ بود...... باحریفاں آنچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد[1]

بدر میں بے سروسامانی کے ساتھ فتح مبین اور حنین میں اس قدر ساز وسامان کے باوجود شکست کا یہی راز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت دو زرہ پہنے ہوئے ایک خچر پر سوار تھے جس کو دُلدل کہا جاتا تھا۔ قبائل کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دلیرانہ آواز دی، جس سے لوگوں کے اُکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے اور طرفین سے قتل وقتال شروع ہو گیا۔

ایک عظیم الشان معجزہ، ایک مٹھی سے تمام لشکر غنیم کو شکست

ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین سے ایک مٹھی اٹھا کر لشکر غنیم کی جانب پھینکی جس کو قدرت خداوندی نے مخالف لشکر کے ہر سپاہی کی آنکھ میں اس طرح پہنچا دیا تھا کہ کوئی ایک آنکھ اس سے بچ نہ سکی۔ (سیرت مغلطائی، صفحہ ۷۲)

آخر دشمن مرعوب ومغلوب ہو کر بھاگے، مسلمانوں میں سے صرف چار آدمی اور کفار کے ستّر آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں نے جوش انتقام میں بچوں اور عورتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔

غزوہ طائف

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف متوجہ ہو گئے جہاں بنی ثقیف اور ہوازن کا مرکز تھا۔ تقریباً اٹھارہ دن تک اس کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہ ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لائے تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ مقام جعرانہ میں

---

[1] اور غالباً اسی شعر کا ترجمہ کسی نے اردو زبان میں اس طرح کیا ہے:
چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

طائف سے قبیلہ ہوازن کے وفد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچے اور درخواست کی کہ حنین کے موقع پر جوان کے لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوئے تھے ان کو واپس کردیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرما کر ان کے قیدی واپس کردیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس آکر مدینہ میں مقیم ہوگئے کہ تو اہل طائف کا ایک وفد حاضر خدمت ہوکر اور خود درخواست کرکے داخل اسلام ہوگیا۔

عمرۂ جعرانہ

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ ہی سے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور احرام باندھ کر مکہ معظّمہ تشریف لے آئے اور ادائے عمرہ کے بعد مدینہ طیبہ کو واپسی ہوئی۔ ۶ ذیقعدہ ۸ ہجری کو مدینہ میں داخل ہوئے۔

۹ھ غزوۂ تبوک، حج اسلام، وفود کی آمد اور فوج درفوج مسلمان ہونا

غزوۂ تبوک اور اسلام میں چندہ کا رواج

طائف سے واپسی کے بعد ۹ ہجری کے نصف تک مدینہ میں مقیم رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ غزوۂ موتہ کے شکست خوردہ رومیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے مقام تبوک میں جو مسلمانوں سے چودہ میل کے فاصلے پر ہے بہت کچھ تیاریاں کر رکھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کی تیاری شروع کی لیکن اس وقت مسلمان قحط سالی کی وجہ سے نہایت تنگ دستی اور افلاس کی حالت میں تھے اور اس پر مزید یہ کہ سخت گرمی پڑ رہی تھی لیکن جانثاروں کی جماعت تھی کہ اس کے باوجود بھی جہاد کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ چندہ کیا گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ لا کر رکھ دیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم الشان امداد سامان جنگ

وغیرہ سے پیش کی جو نو سو اونٹ اور گھوڑوں پر مشتمل تھی۔ (بخاری غزوۂ احد)

جمعرات کے روز ماہ رجب میں تیس ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جمعیت لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے چلے۔

چند معجزات

راستے میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سب سے علیحدہ علیحدہ چل رہے ہیں تو فرمایا: یہ دنیا سے علیحدہ ہی چلیں گے اور علیحدہ ہی زندگی گزاریں گے اور علیحدہ ہی مریں گے۔ چنانچہ ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ اسی غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ اس کی مہار ایک درخت میں فلاں جگہ الجھ گئی ہے۔ وہاں جاکر دیکھا تو یہی صورت سامنے آئی (مغلطائی، صفحہ ۷۶)

تبوک جب پہنچے تو اس جگہ کوئی نہ تھا۔ ہرقل بادشاہ حمص چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر نصرانی کی طرف بھیجا اور پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ تم رات کے وقت اس سے ملو گے جب کہ وہ شکار کر رہا ہوگا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پہنچے تو ٹھیک یہی واقعہ پیش آیا اور اس کو گرفتار کر لائے۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً پندرہ بیس روز وہیں مقیم رہے لیکن کوئی مقابلے پر نہیں آیا تو واپسی کا ارادہ ہوا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ رمضان المبارک ۹ ہجری میں واپس مدینہ پہنچے۔

مسجد ضرار کو آگ لگانا

واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ کو آگ لگانے کا حکم فرمایا جو منافقین نے مسلمانوں کے خلاف مشورہ کرنے کے لیے مسجد کے نام سے بنائی تھی اور

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس کا نام مسجد رکھ دیا تھا۔ (سیرت مغلطانی)
اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسجد ضرار در حقیقت مسجد نہ تھی۔

اسلام میں داخلہ

صلح حدیبیہ کے بعد جب راستے مامون ہوئے تو اشاعت اسلام جس کو امن و امان ہی کی ضرورت تھی ایک حد تک وسیع پیمانہ پر ہو سکی اور اسی لیے اس صلح کا نام آسمانی دفتروں میں فتح رکھا ہوا تھا لیکن پھر بھی کچھ لوگ قریش کے دباؤ کی وجہ سے اسلام میں داخل نہ ہو سکتے تھے۔ فتح مکہ نے اس قصہ کو بھی تمام کر دیا اور اب قرآن عظیم نے تمام عرب میں گھر گھر پہنچ کر اپنے اعجازی تصرف سے سب قلوب پر سکہ بٹھا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو کسی طرح اسلام اور مسلمان کی صورت نہ دیکھنا چاہتے تھے آج جوق در جوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے وفود کی صورت میں پہنچتے اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بن کر اپنی جان و مال فدا کرنے کے لیے تیار ہو جاتے اور یہ وفود اکثر ۹ ہجری میں حاضر اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے۔

وفد ثقیف:...... یہ وفد تبوک سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا اور پھر پے در پے وفود آنے شروع ہو گئے۔ جن کی تعداد ستر تک نقل کی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض کے واقعات مختصراً یہ ہیں۔

وفد بنی فرازہ

پہلے ہی مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

وفد بنی تمیم:...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ

مکالمات کے بعد سب کے سب مسلمان ہو کر وطن لوٹ گئے۔ وفد بنی سعد بن بکر اس وفد کے امیر ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت سے سوالات کیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کے شافی جواب دیے اور پوری تحقیق مذہب اور شرح صدر کے بعد مشرف بہ اسلام ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور قوم میں تبلیغ کی جس کی وجہ سے ان کی ساری قوم مسلمان ہوگئی۔

وفد کندہ

سورۂ صافات کی ابتدائی آیات سنتے ہی ان کے قلوب میں اسلام نے گھر کر لیا۔

وفد بنی عبد القیس

پہلے نصاریٰ تھے، سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ضروری امور اسلامی ان کو تعلیم فرمائے۔

وفد بنی حنیفہ:...... یہ بھی حاضرِ خدمت ہو کر مسلمان ہوگئے۔

ان میں مسیلمہ بھی شامل تھا جو بعد میں نبوت کا دعویٰ کر کے مسیلمہ کذاب کے نام سے پکارا گیا اور محض اس دعویٰ نبوت کی بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جماعت صحابہ کے ہاتھوں سے مع اپنے رفقا کے قتل کیا گیا۔

فائدہ:...... مسیلمہ کذاب بوقتِ دعویٰ نبوت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن و اسلام کا منکر نہیں تھا۔[۱] چنانچہ امام الحدیث والتفسیر شیخ ابوجعفر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ مسیلمہ نے اپنے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان میں برابر اَشْهَدُ

---

[۱] اور اپنے آپ کو مستقل تشریعی نہیں کہتا تھا بلکہ ہمارے زمانہ کے قادیانی مرزا صاحب کی طرح غیر تشریعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماتحت نبوت کا دعویٰ کرتا تھا۔

اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہا کرے لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ جائز نہیں بلکہ مطلقاً دعویٰ نبوت بہت سی نصوص قرآنی اور احادیث متواترہ اور اجماعی عقیدہ نبوت سے انکار ہے اس لیے باجماع صحابہ مسیلمہ کا غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ بھی کفر وارتداد سمجھا گیا اور باجماع صحابہ اس پر جہاد کیا گیا۔ صحابہ کو اس کی اذان ونماز وتلاوت قرآن نے اس کو کافر کہنے سے نہیں روکا۔

وفد بنی قطحان

جس کے امیر زید الخیل تھے، یہ بھی سب کے سب حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

وفد بنی الحارث

ان میں خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مع اپنے رفقا کے مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح بنی اسد، بنی محارب، ہمدان، غسان وغیرہ کے وفود کچھ حاضری سے پہلے اور کچھ بعد میں مسلمان ہوئے۔ حمیر کے مختلف سردار جو اپنی اپنی جماعت کے بادشاہ سمجھے جاتے تھے، ان کی طرف سے قاصد یہ خبر لائے کہ ان سب نے برضا ورغبت اسلام قبول کر لیا اور اسی طرح پیادہ وسوار وفود حاضر ہو کر اسلام لاتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۰ ہجری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان تھے اور جو لوگ اس حج میں حاضر نہیں تھے، ان کی تعداد بھی اس سے کئی گنا تھی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امیر حج ہونا

غزوۂ تبوک کے بعد ذیقعدہ ۹ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔

سانحہ حجۃ الاسلام

۲۵ ذیقعدہ ۱۰ ہجری روز دوشنبہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی عظیم الشان جمعیت ساتھ تھی جس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد منقول ہے۔ مدینہ منورہ سے چھ میل پر بمقام ذوالحلیفہ احرام باندھا۔ ۴ ذی الحجہ کو بروز دوشنبہ مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اور حسبِ قواعدِ شرعیہ حج ادا فرمایا۔

خطبہ عرفات

نویں تاریخ کو عرفات تشریف لے جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مفصل اور بلیغ خطبہ دیا جو نصائح اور حکم سے بھرا ہوا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری پیغام تھا۔ خصوصاً اس کے مندرجہ ذیل ارشادات ہر مسلمان کو اپنے صفحۂ دل پر لکھ لینے چاہئیں:

"اے لوگو! میرا کلام سنو تاکہ میں تمہارے لیے ضروری امور کو بیان کردوں، نہ معلوم کہ آئندہ سال پھر میں تم سے مل سکوں یا نہیں۔"

اس کے بعد فرمایا:

مسلمانوں کی جان و مال و آبرو تم پر قیامت تک اسی طرح حرام ہے جیسے اس دن (عرفہ) اس مہینہ (ذی الحجہ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے۔ اس لیے جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو تو وہ اس کی امانت واپس کر دے۔

اس کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! تمہاری عورتوں کے تم پر کچھ حقوق ہیں اور ان پر تمہارے حقوق ہیں۔ اے لوگو! مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں، میرے بعد تم

پھر کافر نہ ہو جاؤ کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو اس لیے کہ میں نے تمہارے لیے اپنے بعد خدا کی کتاب چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کے احکام کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔‘‘

پھر ارشاد فرمایا:

’’اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارے باپ ایک ہے، تم آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو متقی ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھو! کہ میں تبلیغ کر چکا اور یا اللہ! تو گواہ ہے کہ میں تبلیغ کر چکا۔ حاضرین کو چاہیے کہ یہ کلمات غائبین تک پہنچا دیں۔‘‘

حج سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دس روز تک مکہ معظمہ میں مقیم رہ کر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

۱۱ھ سریہ اسامہ اور مرض وفات

سریہ اسامہ:......مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد ۲۶ صفر ۱۱ ہجری بروز شنبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سریہ جہادِ روم کے لیے تیار فرمایا، جس میں صدیق اکبر، فاروق اعظم اور ابوعبیدہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر صحابہ شامل تھے مگر اس سریہ کے امیر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور یہ آخری لشکر جس کی روانگی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود انتظام فرمایا تھا، ابھی روانہ نہ ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بخار شروع ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرض وفات:......۲۸ رصفر ۱۱ ر ہجری چہار شنبہ کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہل قبور کے لیے دعائے

مغفرت کی اور فرمایا: اے اہل مقابر! تمہیں اپنا یہ حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو کیونکہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں۔ وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہو گیا اور یہ بخار صحیح روایات کے موافق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہو گئی۔ اسی عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستور کے مطابق ہر روز ازواج مطہرات کے حجروں میں منتقل ہوتے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض طویل اور سخت ہو گیا تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ ایام مرض میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہیں۔ سب نے اجازت دے دی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت

رفتہ رفتہ مرض اتنا بڑھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد تک بھی تشریف نہ لا سکے تو ارشاد فرمایا کہ صدیق اکبر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تقریباً سترہ نمازیں پڑھائیں، پھر ایک روز اتفاقاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس پر گزرے تو وہ سب رو رہے تھے۔ سبب پوچھا تو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پہنچا دی۔ یہ سن کر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے کاندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے لیکن نیچے ہی سیڑھی پر جلوہ افروز رہے اور اوپر نہ چڑھ سکے اور بلیغ خطبہ دیا جس کے بعض کلمات یہ ہیں:

آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ

اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈر رہے ہو، کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی ہمیشہ رہا ہے جو میں رہتا، ہاں! میں اپنے پروردگار سے ملنے والا ہوں

اور تم مجھ سے ملنے والے ہو، وہاں تمہارے ملنے کی جگہ حوض کوثر ہے، پس جو شخص یہ پسند کرے کہ روز قیامت اس حوض سے سیراب ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو لایعنی اور بے ضرورت باتوں سے روکے۔ میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک اور اتحاد کی وصیت کرتا ہوں۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو ان کے حکام اور بادشاہ ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جب وہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ بے رحمی کرتے ہیں

(دروس السیرۃ المحمدیہ)

اس کے بعد مکان میں تشریف لے گئے اور وفات سے پانچ یا تین روز پہلے ایک مرتبہ تشریف لائے، سر مبارک بندھا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ [1] نماز پڑھا رہے تھے وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور خود ابوبکر رضی اللہ عنہ [2] کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔

نماز کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس کے دوران فرمایا: ”ابوبکر سب سے زیادہ میرے محسن ہیں اور اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن چونکہ خلیل خدا کے سوا کوئی نہیں اس لیے ابوبکر میرے بھائی اور دوست ہیں۔“

اور فرمایا: مسجد میں جتنے لوگوں کے دروازے ہیں وہ سب سوائے ابوبکر کے دروازے کے بند کر دیے جائیں (صحیح بخاری مع فتح، صفحہ ۳۵۶، جلد ۱)

محدث ابن حبان نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس حدیث میں صاف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہیں۔

---

[1] صحیح یہ ہے کہ ظہر کی نماز تھی۔ فتح الباری: ۱۰۶ ا ہندی۔ ۱۲

[2] صحیح یہ ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی امام تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور تمام جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقتدی تھی۔ البتہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ (مشکوۃ باب متابعۃ الامام ۱۲ منہ)

(فتح الباری، پارہ ۳۴، صفحہ ۳۵۶)

اس کے بعد دوسری ربیع الاول دوشنبہ کے روز لوگ صبح کی نماز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھ رہے تھے کہ یکا یک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ کھول کر لوگوں کی طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے اور خوشی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب نماز میں منتشر ہونے لگے۔

درنمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو اور خود اندر تشریف لے گئے اور پردہ چھوڑ دیا اور اس کے بعد پھر باہر تشریف نہیں لائے۔ اسی روز ظہر کے بعد اس عالم سے انتقال فرما کر رفیق اعلیٰ کے ساتھ واصل ہوئے۔

فانّا للہ وانّا الیہ رَاجعُون

صحیح روایت کے مطابق اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ برس تھی۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری کلمات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس مرض کے دوران کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہرۂ مبارک سے چادر اٹھا کر فرماتے تھے کہ یہود ونصاریٰ پر اس لیے خدا کی لعنت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔ غرض یہ تھی کہ

---

[1] تاریخ وفات میں مشہور ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو واقع ہوئی ہے اور یہی جمہور مؤرخین لکھتے ہیں۔ لیکن حساب سے کسی طرح یہ تاریخ نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بھی متفق علیہ امر ہے کہ وفات دوشنبہ کو ہوئی اور یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کا حج ۹ ذی الحجہ بروز جمعہ کو ہوا۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے ۱۲ ربیع الاول روز دوشنبہ نہیں پڑتی۔ اس لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح بخاری میں طویل بحث کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ تاریخ وفات دوسری ربیع الاول ہے۔ کتاب کی غلطی ہے (۲ کا ۱۲) اور عربی عبارت میں ثانی شہر ربیع الاول کا ثانی عشر ربیع الاول بن گیا۔ حافظ مغلطائی نے بھی دوسری تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمان اس سے بچیں۔ (بخاری، صفحہ ۱۰۵)

آہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری کلمات میں جس چیز سے ڈرایا تھا وہ بھی آج مسلمانوں نے نہ چھوڑا اور اولیا و صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا۔ نعوذ باللہ۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں [۱] کہ قریب وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھت کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے: یعنی یا اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں۔ بعض روایات میں ہے کہ آخری لمحات حیات میں زبان رسالت پر الصلوٰۃ. الصلوٰۃ کے کلمات جاری رہے۔ [۲] (خصائص کبریٰ)

وفات کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتہ چلی تو گویا سب کی عقلیں اڑ گئیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی فرط غم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کا انکار کرنے لگے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف لائے تو ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو سمجھ لے کہ وہ حی وقیوم آج بھی زندہ ہے۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ ہوش آیا۔ پھر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ کا قائم کرنا سب سے پہلا اور مقدم کام تھا کیونکہ دوسرے دینی و دنیوی معاملات کے خلل اور بیرونی واندرونی دشمنوں کے حملے کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے پہلے خلیفہ کا قائم کرنا ضروری سمجھا گیا اور اس قضیہ کے طے ہونے میں کچھ دیر ہوئی اور اسی وجہ سے پیر کے دن سے بدھ کی رات تک توقف ہوا

---

[۱] بیہقی نے بروایت صدیقہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے کہ آخری لمحہ حیات میں زبان مبارک پر یہ الفاظ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز کا اور ان لوگوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھو جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔

[۲] حافظ ابن حجرؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے فتح الباری ۱۰۶

۔ بدھ کی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل وکفن دیا اور نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ قبر شریف حدیث شریف کے موافق صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں اسی جگہ کھودی گئی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تھی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر کھودی اور حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختصراً بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ کا کچھ حصہ مختصراً پیش کر دیا جائے۔ شاید خدا کریم ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفی عطا فرمائے۔ وما ذٰلك على الله بعزيز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وخصائل ومعجزات

اخلاقِ شریفہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ شجاع و بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو فوراً عطا فرما دیتے تھے۔ سب سے زیادہ حلیم و برباد تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار کی ایک قوم کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کے متعلق بددُعا فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں رحمت ہو کر آیا ہوں، عذاب بن کر نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان مبارک شہید کیا گیا مگر اس وقت بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت ہی فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ حیادار تھے۔ آپ کی نگاہ کسی چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی۔ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے انتقام نہ لیتے تھے اور نہ غصہ ہوتے تھے۔ ہاں! جب حدود خداوندی پر دست اندازی کی جاتی تو غصہ آتا تھا اور جب غصہ آتا

تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی ٹھہر نہ سکتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو ہمیشہ ان میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے (تاکہ امت کے لیے سہولت ہو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، البتہ اگر مرغوب ہوتا تو کھالیتے، ورنہ چھوڑ دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکیہ لگا کر نہ کھاتے اور نہ میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے، نہ سینی پر اور نہ کبھی آپ کے لیے پتلی چپاتی پکائی گئی۔ خربوزہ کو کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ شہد اور تمام شیریں کو طبعاً پسند فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور کبھی آپ اور آپ کے اہل بیت نے "جو" کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں پر دو، دو مہینے اس طرح گزر جاتے تھے کہ چولہے میں آگ جلانے کی بھی نوبت نہ آتی تھی بلکہ صرف چھواروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا جوتا خود سی لیتے اور کپڑے میں پیوند خود لگاتے تھے۔ اپنے اہل بیت کے کاروبار میں رہتے تھے۔ مریضوں کی عیادت کرتے، جب کوئی آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دیتا، خواہ امیر ہوتا یا مفلس اس کے یہاں تشریف لے جاتے۔ کسی مفلس کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہ جانتے اور کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے اس کے ملک کی وجہ سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

اپنے پیچھے اپنے غلام وغیرہ کو سوار کر لیتے تھے۔ موٹے کپڑے پہنتے اور گتھے ہوئے جوتے پہن لیتے تھے۔ سفید کپڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پسند تھے۔

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور بیکار باتوں سے اجتناب فرماتے تھے۔ نماز کو طویل اور خطبہ مختصر پڑھتے۔ غلاموں اور مفلسوں کے ساتھ چلنے پھرنے سے پرہیز نہ فرماتے تھے، کبھی کبھی ہنسی اور خوش طبعی کی باتیں فرماتے لیکن اس وقت بھی

واقعہ کے خلاف نہ بولتے تھے۔ تمام انسانوں سے زیادہ خندہ پیشاں وخوش خلق تھے، عذر خواہ کا عذر قبول فرما لیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن مجید تھا۔ یعنی جس چیز کو قرآن پسند کرتا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پسند فرماتے اور جس کو قرآن پسند نہ کرتا تھا، اس کو آپ بھی ناپسند فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے بہتر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

معجزات

دنیوی بادشاہ جب کسی کو اپنی طرف سے کسی صوبہ کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجتے ہیں تو ان کے ساتھ کچھ نشانیاں دی جاتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر لوگوں کو اس کی گورنری کا یقین آجائے۔ مثلاً: کچھ چشم وخدم، فوج اور وہ اختیارات جن کو عام رعایا نافذ نہیں کر سکتی، اسی طرح خدائے سبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا میں آتے ہیں تو ان کے ساتھ صدق و دیانت اور حسن خلق اور جملہ کمالاتِ بشریہ کی نشانیوں کے ساتھ ایک قوتِ قاہرہ بھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے معاندین کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ اسی قوتِ قاہرہ اور فوق العادت اختیارات کا نام معجزات اور خرقِ عادت ہے۔

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی تعداد اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تمام انبیاءِ سابقین سے افضل ہیں اور زائد ہیں۔

پہلے انبیا علیہم السلام کے معجزات ان کی مقدس ہستیوں تک محدود تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ قرآن آج بھی ہر مسلم کے ہاتھ میں ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری قوتیں اور جن وانس عاجز ہیں اس کے علاوہ چاند کے دو ٹکڑے

کر دینا، انگلیوں سے پانی جاری ہونا۔ کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، لکڑی کے ستون کا رونا، درختوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنا، درختوں کو بلانا اور ان کا آ جانا، ہزاروں پیشین گوئیوں کا آفتاب کی طرح صادق ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ہزاروں معجزات ہیں جو نہ صرف آیات اور صحیح احادیث میں وارد ہیں بلکہ کفار کی شہادت سے بھی ثابت ہیں، جن کو علماءِ متقدمین ومتاخرین نے مستقل تصنیفوں میں ثابت کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائصِ کبریٰ اور متاخرین میں رسالہ ''الکلام المبین'' اُردو اسی مضمون میں لکھے گئے ہیں، مگر اس مختصر رسالہ میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں، اس لیے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

آخر میں مناسب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند کلمات نصیحت بھی لکھے جائیں اور ان کا مستقل نام جوامع الکلم ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

بندہ شفیع [1]

دیوبندی غفرلہ ولوالدیہ ومشائخہ

---

[1] مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم کراچی

تصحیح و تزئین محمد عابد قریشی غفراللہ لہ و لوالدیہ بولاساتذتہ

جوامع الکلم

(چہل حدیث)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: [1] ''جو شخص میری امت کے فائدے کے واسطے دین کے کام کی چالیس حدیثیں سنائے گا اور حفظ [2] کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قیامت کے دن عالموں اور شہیدوں کی جماعت میں اٹھائے گا اور فرمائے گا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ [3]

عظیم الشان ثواب کے لیے سینکڑوں علمائے امت نے اپنے طرز پر چہل حدیث لکھیں جو مقبول و مفید عام ہوئیں۔

---

[1] رواہ ابن عدی عن ابن عباس و ابن النجار عن ابی سعید ص۔ کذا فی الجامع الصغیر ۱۲ منہ

[2] حفظ حدیث کے دو طریق ہیں، زبانی یاد کر کے لوگوں کو پہنچا دے یا لکھ کر شائع کر دے، اس لیے وعدۂ حدیث میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو چہل حدیث طبع کرا کر شائع کرتے ہیں۔ اس صورت میں چہل حدیث کا ہر نسخہ اس عظیم الشان ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اس قدر سہل الوصول اور عظیم الشان ثواب سے بھی اگر کوئی محروم رہے تو اس کی قسمت۔ ۱۲ منہ

[3] قال الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ فی مقدمۃ اربعینہ قد روینا عن علی بن ابی طالب وعبداللہ بن مسعود و معاذ بن جبل و ابی الدرداء و ابن عمرو ابن عباس و انس بن مالک و ابی ھریرۃ و ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہم من طرق کثیرۃ بروایات متنوعۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''قال من حفظ علی امتی اربعین حدیثًا۔۔۔ الخ'' واتفق الحفاظ علی انہ حدیث ضعیف وان کثرت طرقہ۔۔۔ وقد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال (الاربعون النوویۃ وشرحہا القاھرۃ ۱۳۹۷ ص ۱۱۔ ۱۲) الناشر۔

میری حیثیت اور حوصلہ سے بہت زیادہ تھا کہ اس میدان میں قدم رکھا۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سوانح حیات "سیرت خاتم الانبیاء" اس غرض سے لکھی کہ مبتدیوں اور عورتوں کو پڑھائی جائے تو مناسب معلوم ہوا کہ آخر میں کچھ احادیث کے مختصر جملے بھی درج کئے جائیں۔ جن کو مبتدی بھی یاد کرسکیں۔ اس ذیل میں خیال آیا کہ پوری چالیس حدیثیں بیان کردی جائیں تاکہ اس کے یاد کرنے والے چہل حدیث کے عظیم الشان ثواب کے بھی مستحق ہوجائیں اور شاید اس کی برکت سے یہ سراپا گنہگار بھی ان بزرگوں کے خدام میں شمار ہوجائے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

تنبیہ:۱......احادیث سب نہایت صحیح اور قوی، بخاری ومسلم کی حدیثیں ہیں۔

۲......چونکہ آج کل عام طور پر مسلمانوں کی اخلاقی حالت زیادہ تباہ ہوتی جارہی ہے اور بچپن میں تعلیم اخلاق مؤثر بھی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اکثر احادیث وہی درج کی ہیں جو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب وتمدن کے زریں اصول ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱:...... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری و مسلم)

"سارے عمل نیت سے ہیں" [1]

۲:...... حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

---

[1] یعنی اچھی نیت سے اچھے اور بری نیت سے برے ہوجاتے ہیں۔

① سلام کا جواب دینا۔ ② مریض کی مزاج پرسی کرنا۔
③ جنازہ کے ساتھ جانا۔ ④ اس کی دعوت قبول کرنا۔
⑤ چھینک کا جواب یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ کر دینا۔

۳:...... لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ (بخاری و مسلم)

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے''

۴:...... لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (بخاری و مسلم)

''چغل خور جنت میں نہ جائے گا''

۵:...... لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ (بخاری و مسلم)

''رشتہ قطع کرنے والا جنت میں نہ جائے گا''

۶:...... اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بخاری و مسلم)

''ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی صورت ہوگا''

۷:...... مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ
مِنَ الْاِزَارِ فِى النَّارِ (بخاری و مسلم)

''ٹخنوں کا جو حصہ پائجامہ کے نیچے رہے گا وہ جہنم میں جائے گا''

۸:...... اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ
مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری و مسلم)

''مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں''

۹:...... مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهٗ (بخاری و مسلم)

''جو شخص نرم عادت سے محروم رہا وہ ساری بھلائی سے محروم رہا''

۱۰:...... لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ (بخاری و مسلم)

پہلوان وہ شخص نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

۱۱:...... اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ (بخاری و مسلم)

''جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہو کرو'' [۱]

۱۲:...... اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ (بخاری و مسلم)

''اللہ کے نزدیک سب عملوں میں وہ زیادہ محبوب ہے جو دائمی ہو، اگر چہ تھوڑا ہو''

۱۳:...... لَاتَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ اَوْتَصَاوِيْرُ (بخاری و مسلم)

''اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں''

۱۴:...... اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا (بخاری و مسلم)

''تم میں سے وہ شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے جو زیادہ خلیق ہے''

۱۵:...... اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّتُ الْكَافِرِ (بخاری و مسلم)

---

[۱] یعنی جب حیا ہی نہیں تو ساری برائیاں برابر ہیں۔

''دنیا مسلمان کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے''

۱۶:...... لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَ لَیَالٍ (بخاری و مسلم)

''مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق رکھے''

۱۷:...... لَا یُلْدَغُ الْمَرْئُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَیْنِ (بخاری و مسلم)

''مومن کو ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا'' [1]

۱۸:...... اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ (بخاری و مسلم)

''حقیقی غنا، دل کا غنا ہوتا ہے''

۱۹:...... کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ (بخاری و مسلم)

''دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا رہ گذر رہتا ہے'' [2]

۲۰:...... کَفٰی بِالْمَرْئِ کِذْبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو بات سنے (بغیر تحقیق کے) لوگوں سے بیان کرنا شروع کر دے۔ (بخاری و مشکوۃ)

۲۱:...... عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْهِ (بخاری و مسلم)

''آدمی کا چچا اس کے باپ کے مانند ہے''

۲۲:...... مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی جس سے ایک مرتبہ نقصان پہنچتا ہے پھر دوبارہ اس کے پاس نہیں جاتا۔

[2] یعنی زیادہ ٹھاٹھ باٹھ سے نہ رہو۔

جو کسی مسلمان کے عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب چھپائے گا

۲۳:...... قَدْ اَفْلَحَ مِنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ کَفَافًا
وَّقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ (مسلم)

"وہ شخص کامیاب ہے جو اسلام لایا اور جس کو بقدر کفایت رزق مل گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی روزی پر قناعت دے دی"

۲۴:...... اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ
اَلْمُصَوِّرُوْنَ (بخاری و مسلم)

"سب سے سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے"

۲۵:...... اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ (مسلم)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے"

۲۶:...... لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ
مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (بخاری و مسلم)

"کوئی بندہ اس وقت تک پورا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"

۲۷:...... لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَأْمَنُ جَارُهٗ
بِوَائِقَهٗ (مسلم)

"وہ شخص جنت میں نہ جائے گا جس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ رہے"

۲۸:...... اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي (بخاری و مسلم)

''میں آخری پیغمبر ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا''

۲۹:...... لَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا

وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا (بخاری)

''آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کے درپے نہ ہو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ رکھو اور اے اللہ کے بندو! سب بھائی ہو کر رہو''

۳۰:...... اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَاِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاِنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ

''اسلام ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے جو پہلے کیے تھے اور ہجرت اور حج ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتے ہیں جو اس سے پہلے کیے تھے'' (بخاری و مشکوۃ)

۳۱:...... اَلْكَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ (بخاری و مسلم)

''کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی کو بے گناہ قتل کرنا اور جھوٹی شہادت دینا ہیں''

۳۲:...... مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ مِنْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ (بخاری و مسلم)

جو شخص کسی مسلمان کو دنیاوی مصیبت سے چھڑائے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے چھڑائے گا اور جو شخص کسی مفلس غریب پر (معاملہ میں) آسانی کرے، اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

۳۳:...... كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم)

''ہر ایک بدعت گمراہی ہے''

۳۴:...... اَبْغَضُ الرِّجَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ (بخاری و مسلم)

''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض جھگڑالو آدمی ہے''

۳۵:...... اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ (مسلم)

''پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔''

۳۶:...... اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا (مسلم)

''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب جگہ مسجدیں ہیں''

۳۷:...... لَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِد (مسلم)

''قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ''

۳۸:...... لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْلَیُخَالِفَنَّ اللّٰہَ بَیْنَ وَجُوْھِکُمْ (مسلم)

نماز میں اپنی صفوں کو سیدھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں اختلاف ڈال دے گا

۳۹:...... مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عشرًا (مسلم)

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔''

۴۰:...... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ (بخاری و مسلم)

''سب اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے''

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِالْمَخْصُوْصِ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَخَوَاصِ الْحِکَمِ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَلْعَبْدُ الضَّعِیْفُ

مُحَمَّدْ شَفِیْع عَفَا اللّٰہُ عَنْہُ

وَوَفَّقَہٗ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضَاہُ

۷ رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

''سیرت خاتم الانبیاء'' ﷺ میں سرورِ کائنات فخرِ موجودات روحِ دو عالم رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا اجمالی نقشہ اپنے اصلی رنگ میں مکمل طور پر روایت میں احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت فصاحت و بلاغت، ایجاز، سادگی و بے تکلفی کے ساتھ حالات ووقائع کو پیش کیا گیا ہے۔ کتاب جامع احوال و اخلاق و مناقب ہونے کے ساتھ آئینہ کمالات وعظمت و رأفت و رحمت و جاہ وجلال حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ ایمان کی تازگی اور آپ ﷺ سے محبت بڑھانے کا بہترین ذریعہ۔

خصوصیات:

۱۔ اختصار کے ساتھ جامعیت اس قدر کہ کوئی ضروری واقعہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔

۲۔ مسائلِ جہاد وتعدد ازواج وغیرہ پر مخالفین کے اوہام واعتراضات کے شافی جوابات۔

۳۔ معتبر ومستند ماخذ۔

اللہ تعالیٰ اسے مفید عام اور محبت نبوی کا سبب بنائے۔ آمین

www.darulishaat.com.pk

E-mail : sales@darulishaat.com.pk
ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com

DIU-02412